بے جا لمبی داڑھی کے خلاف جمہور علماء اہلسنت کا موقف

اللحیۃ الشرعیۃ

داڑھی کی شرعی مقدار

تصنیف

ابو الاحمد محمد علی رضا القادری الاشرفی

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

"لا غالب الا اللّٰہ"

"فوق کل ذی علم علیم"

بے جا لمبی داڑھی کے خلاف جمہور علماءِ اہلسنت کا مؤقف

اللحیۃ الشرعیۃ

(داڑھی کی شرعی مقدار)

(جوابِ فتویٰ)

تصنیف

ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی

(سانگلہ ہل)

فہرست

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین

الصلوۃ والسلام علیک یاسیدی یارسول اللّٰہ

وعلیٰ والدیک واٰلک واصحابک یاسیدی یاحبیب اللّٰہ

الصلوۃ والسلام علی الامام الاعظم

مالکی وشافعی احمد المکرم

یارسول اللّٰہ انظر حالنا

یاحبیب اللّٰہ اسمع قالنا

اننافی بحرھم مغرقون

خذایدیناسھل لنااثقالنا

اشفع لناعندربک یارحمۃ للعالمین

تقریظ

استاذ العلماء مولانا پروفیسر **محمد شہباز تبسم** مجددی نقشبندی

فاضل درسِ نظامی وایم فل علومِ اسلامیہ

مدرس جامعہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ وخطیب جامع مسجد غوثیہ سانگلہ ہل

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین

امابعد!

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

انسانی فلاح وبہبود، اعلیٰ تہذیب وتمدن اور معاشرتی ترقی کی خشتِ اول ''علم'' ہے، کیونکہ انسانی معاشرہ کی تعمیر وتنظیم اور ترقی کا دارومدار صرف معیاری تعلیم کی بنیاد پر ہی ممکن ہے اور انسان کی دوسری مخلوقات پر فضیلت علم کیوجہ سے ہے، اور علم کی دو قسمیں ہیں (1) علم محمود، (2) علم مذموم۔

جو علم زندگی، فلاحِ معاشرہ اور رضاء الٰہی کیلئے حاصل کیا جائے وہ علمِ محمود ہے اور جو انسانیت کی تذلیل اور خدا سے دوری کا سبب بنتا ہو وہ علم مذموم کہلائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے علم کا ایک باب سیکھا تاکہ وہ لوگوں کو سکھائے تو اللہ اسکو 60 صدیقوں کا

ثواب عطاء کرتا ہے۔

الحمدللہ! استاذ محترم استاذ العلماء مولانا محمد علی رضاء القادری الاشرفی زید شرفہ علم محمود کے وارث ہیں اور اللہ نے آپکو الفاظ کے بولنے اور قلم کے استعمال کا خاص ملکہ عطاء فرمایا ہے، جس کا بین ثبوت "**صلوۃ المصطفیٰ** ﷺ"، "**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ" اور یہ کتاب "**اللحیۃ الشرعیۃ**" ہے۔

زیرِ نظر کتاب "اللحیۃ الشرعیۃ" میں آپ نے غیر مقلدین کے اعتراضات کو آڑھے ہاتھوں لیا ہے اور انکے اعتراضات کا احادیثِ طیبہ، آثارِ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدّثین اور خود غیر مقلدین کی کتابوں سے اس خوبصورت انداز میں رد کیا ہے کہ پڑھکر دل عش عش کر اٹھا ہے۔

ان کی اس عظیم کاوش کو یقینا اہلِ علم وفضل میں پذیرائی ملے گی، آپ کے اس علمی شاہکار کو پڑھکر دل سے دعاء نکلتی ہے کہ اللہ ان کے زورِ قلم میں مزید برکتیں فرمائے! آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالتسلیم۔

محمد شہباز تبسم مجددی (ایم فل)

مدرس جامعہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ

(سانگلہ ہل)

تقریظ

استاذ العلماء مولانا قاری **محمد نثار احمد** قادری ساقی

مدرس (شعبہ درسِ نظامی) جامعہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ (سانگلہ ہل)

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم ﷺ اما بعد!

راقم الحروف نے استاذی مکرم فاضلِ جلیل عالمِ بے بدل حضرۃ العلام مولانا محمد علی رضاء القادری الاشرفی زید مجدہ ودام اقبالہ کی تألیف "**اللحیۃ الشرعیۃ**" کو متعدد مقامات سے بغور پڑھا، یہ کتاب علمِ روایت ودرایت کا حسین مرقع ہے۔

داڑھی کی شرعی حیثیت پر متعدد علماء کرام کی تحقیقات کو پڑھا ہے مگر یہ کتاب اپنے منفرد موضوع کے اعتبار سے بے مثال، ضخیم اور جامع ومانع شاہکار ہے، مفاہیم ومطالب، جرح وتعدیل کے اعتبار سے بھی ایک عظیم وبہترین تحفہ ہے۔

استاذِ گرامی نے رواۃ کی سطحی تحقیق پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ خوب امعانِ نظر سے کام لیتے ہوئے اصولِ حدیث کی روشنی میں کتبِ جرح وتعدیل کی مدد سے نفسِ مسئلہ کو خوب اجاگر کرنے میں سعی بلیغ سے کام لیا ہے۔

پُر لطف بات یہ ہے کہ: اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، اجل صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ کو باحسن ترتیب تحریر کیا ہے جس کے پڑھنے سے قاری کے دل کو الحمد للہ خوب تسلی حاصل ہوجاتی ہے۔

یہ کتاب فی زمانہ علماء، طلباء اور راہِ حق کے دیگر متلاشیان کی بہتر راہنمائی کرے گی وہ

اس لئے کہ: آج تک داڑھی سے متعلق اس منفرد موضوع پر ایسا کام نہیں کیا گیا، استاذی گرامی نے بڑی بڑی کتب سے ان تمام روایات وآثار اور فتاویٰ جات کو جمع کر کے اس موضوع کا دلائلِ باہرہ سے خوب احاطہ کیا ہے۔

تنگ نظری اور حسد کا کوئی علاج نہیں لیکن اس تمام مباحث کو انصاف سے ملاحظہ کرنے کے بعد اس موضوع کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ استاذی گرامی کی فکری استعداد اور زورِ قلم میں مزید فروغ بخشے اور ساتھ ہی ساتھ ''**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ'' کی طرح انکی اس کتاب کو بھی مقبولیتِ عامہ عطاء فرمائے۔(امین)

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و الہ و اصحابہ و بارک وسلم

الرب الصمد کا بندہ نیازمند

محمد نثار احمد قادری ساقی

۹ ذو القعد بروز بدھ ۱۴۳۸ھ

بمطابق 2 اگست 2017ء

الانتساب

اس تحقیقی مقالے کو میں اپنے نہایت ہی ہمدرد و مونس اور مشفق و محسن بزرگ عاشقِ رسول ﷺ جناب **الحاج ملک محمد مشتاق قادری نوشاہی** مرحوم رحمہ اللہ تعالیٰ (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر و خادمِ اعلیٰ جامع مسجد تاجدارِ مدینہ محلہ گارڈن ٹاؤن سانگلہ ہل) کی مبارک روح سے منسوب کرتا ہوں، جن کی جہدِ مسلسل، جذبات اور محبتوں نے مجھے تحریری و مطالعاتی دینی امور پر ہمت دلائی، اور حوصلہ افزاء حد تک راقم الحروف کی قدم بقدم راہنمائی فرمائی، جنہوں نے راقم الحروف کو اپنے بیٹوں ہی کی طرح عزیز رکھا ،جنکی شفقتوں اور احسانات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، جو ایک سچے، کھرے اور ایماندار فرد کی حیثیت سے حلقہ احباب میں جانے جاتے تھے، مسلک کا درد رکھنے والے اپنے آپ میں ایک انجمن تھے، خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار تھے، جامع مسجد تاجدارِ مدینہ (سانگلہ ہل) میں تمام علمی تقریری و تحریری دینی معاملات و دروس کا نظام شروع کروانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے، اس پھول کی کمی چمنِ احباب میں ہمیشہ ستاتی رہے گی جو شاید کبھی بھی پوری نہ ہو پائے۔

دعاء ہے کہ: اللہ وحدہ لاشریک انکی قبر کو قیامت تک کیلئے جنت کا حسین باغ بنائے اور اپنے انوارِ رحمت و تجلیاتِ کرم کی برسات رہتی دنیا تک ان کی قبر پر نازل فرمائے اور انکے صاحبزادگان کی ہر دینی و دنیاوی معاملے میں خیر فرمائے!۔ (بجاہ النبی الکریم الرؤوف الرحیم ﷺ: آمین)

"محمد علی رضاء القادری"

الاھداء

سید کائنات، عظمتوں اور رفعتوں کے شاہ، جلوہ ءانوارِخدا، محورِکائنات
قاطعِ اخیاطِ سحر وطلسمات، دافع الشکوک والتوہمات، آقاءکُل، فلسفہ ءقُل
حقیقتِ کُن، جانِ خلائق، مخصوص باللواء والشفاعۃ، زینۃ الخضر والحلاوۃ
رازدارِ الوہیت، سرور وسردارِ نبوت، حاملِ کلائدِ کنوزِ جہاں، پروردہ ءرحماں

جنابِ رسالت مآب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بارگاہِ عظمت وکرامت میں یہ سعی پیش کرتا ہوں
التجاء ہے! قبول فرما کر فیضِ نظر سے مالا مال فرما دیجیے!

طلبگارِ شفاعت
”محمد علی رضائ“

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ النبی الکریم ﷺ ووالدیہ وآلہ واصحابہ اجمعین والعاقبۃ للمتقین، امابعد!

امام ابن حجر مکی شافعی ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث پڑھنے پڑھانے والے سے بڑھ کر جاہل کوئی نہیں جسے حدیث کی سمجھ ہی نہیں''۔

نیز فرمایا کہ: ابن وہب فرماتے ہیں: ''ہر وہ حدیث پڑھنے، پڑھانے والا جس کو فقہ میں کوئی دخل نہیں وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا''۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ: ''**الحدیث مضلۃ الا للفقہاء**'' فقہاء کے بغیر حدیث بھی گمراہ کر دیتی ہے۔

دورِ حاضر میں حدیث جاننے کا دعویٰ کرنے والے ''میاں مٹھو'' تو بہت ہیں لیکن حدیث کا فہم وشعور رکھنے والے اہلِ علم ''غرابت وندرت'' کا شکار ہیں، خدا کی کرم نوازی ہے اہلِ سنت پر جنہیں خدا نے حق وباطل میں تمیز کرنے کی سعادت نصیب فرمائی، الحمدللہ العزیز الوہاب ہماری دیگر مطبوعہ ''**صلوۃ المصطفیٰ** ﷺ'' اور ''**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ'' نے خاص وعام میں حوصلہ افزاء حد تک خوب پذیرائی سمیٹی اور اہلِ نظر سے خوب دادِ تحسین وتشریف پائی جس سے مزید لکھنے کا جذبہ تازہ ہوا اور ان موضوعات پر تحریر کرنے کا قصد ہوا جن پر سیر حاصل مواد کتابی صورت میں نہیں آیا تاکہ ''**قیدوا العلم بالکتاب**'' کی راہِ مستقیم پر چلتا ہوا

''**بلغوا عنی ولو آیۃ**'' کی منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤں اور'' کتمانِ علمِ حق''
جیسی گمراہی سے بچا رہوں، یہ تحقیقِ عتیق جواس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے علم جو
حضرات کیلئے ایک انمول تحفہ ہے، اہلِ علم کے درمیان داڑھی سے متعلق عموماً دو
موضوع زیرِ بحث رہے ہیں!

(۱):۔ داڑھی بڑھاؤ (یہ موضوع ان لوگوں کے خلاف ہے جو اپنی داڑھیوں
کوایک مشت سے بھی کم کر کے اعلانیہ فسق کے مرتکب بن بیٹھتے ہیں)

(۲):۔ ایک مشت سے زائد تراش دیا کرو (یہ موضوع ان لوگوں کے خلاف ہے کہ
جو داڑھیوں کو اتنا بڑھالیتے ہیں کہ وہ چہرے پر جمال کی بجائے اللہ کے عذاب اور
جلال کی علامت بن کر رہ جاتی ہے اور صورت میں بھیانک پن کا خوفناک حد تک
اضافہ ہوجاتا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بے جا لمبائی کئی سادہ لوح مسلمانوں کو داڑھی
جیسی سنتِ عظیمہ سے متنفر کرنے کا باعث بھی بنتی رہتی ہے)

جاننا چاہیے کہ پہلے موضوع پر چند ایک رسائل و کتب سامنے آچکے ہیں جن میں سے شیخ
المحققین، قاطع فتنہ رافضیت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب'' وجوب اللحیۃ'' ایک لا
جواب تصنیف ہے، اور دوسرے موضوع پر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے فضل و کرم
سے بلا مبالغہ''**اللحیۃ الشرعیہ**'' اپنی مثال آپ ہے کیونکہ خاص اسی
موضوع سے متعلق اتنا کثیر مواد شاید پہلے کبھی جمع نہیں ہوا، وحدہ لاشریک لہ کا جتنا بھی
شکریہ ادا کروں کم ہے کہ:'' جمالِ بلال'' کے بعد یہ سعادت بھی راقم ہی کے حصے میں
آئی ہے۔

یہ کتاب اگرچہ''**جمالِ بلال**'' سے پہلے ہی تحریری منازل طے کر چکی تھی لیکن

تھوڑی بہت تبدیلی اور نظرِ ثانی کیلئے اس کی طبع کو ہم نے مؤخر کر دیا تا کہ حتی الوسع اس کو جامع مانع بنا دیا جائے تاہم اللہ کا نام لے کر دوستوں کے بڑھتے ہوئے مطالبے کے پیشِ نظر اس کو طبع کیا جارہا ہے چنانچہ ہم اس کتاب میں مسئلہ محبثہ پر حتی المقدور رطب و یابس سب کچھ لے آئے ہیں ،اس کے باوجود نہ ماننے والوں سے گلہ نہیں ،خشک تنقید کرنے والوں کی پرواہ نہیں اور نقد برائے اصلاح سے ہمیں کوئی اعراض نہیں۔

میں بھائی محمد اکبر قادری اکبر بک سیلرز لاہور والے کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کے خواب کو عملی جامہ پہنایا اور ساتھ ہی ساتھ ان تمام دوستوں کو بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بھی تعاونِ افراح وتسریر سے میری مدد فرمائی۔

میری دعاء ہے اللہ تعالیٰ بندہ کے تمام متعلقین ومعاونین کو اجرِ جزیل نصیب فرمائے اور اس کتاب کو عوام وخواص کیلئے فائدہ مند بنا کر میری نجات کا ذریعہ بنائے آمین

(بجاہ النبی الکریم ﷺ)

------راجیءبرکات------

''ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی''

امام وخطیب جامع مسجد تاجدارِ مدینہ

(سانگلہ ہل)

0305-7388073

لمبی داڑھی سے متعلق
ایک سوال کا جواب

سوال:۔

داڑھی کے ایک مشت سے بڑھے ہوئے بالوں کو تراشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

{ایک مشت تک داڑھی بڑھانا پھر اس سے زائد کاٹ دینا سنت ہے}

دلائل ملاحظہ ہوں!

(1)۔

کان ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیتے۔

(صحیح بخاری صفحہ نمبر 1036)

(2)۔

عن انس :ان ابا قحافۃ اتی النبی ﷺ ولحیتہ قد انتشرت قال فقال لو اخذتم واشار بیدہ الی نواحی لحیتہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے تو انکی داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے (راوی) فرماتے ہیں کہ (نبی کریم ﷺ نے) فرمایا: کاش کہ تم انہیں کاٹ لیتے اور آپ

ﷺ نے داڑھی کے اردگرد کے بالوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

(جامع المسانید للخوارزمی جلد2صفحہ نمبر446)

(3)۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یأخذ لحیتہ من طولھا و عرضھا ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ انکے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو لمبائی اور چوڑائی سے کاٹا کرتے تھے

(سنن الترمذی صفحہ نمبر820 رقم2762)

(فتح الباری جلد10 صفحہ نمبر350)

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ صفحہ نمبر609)

(مشکوۃ المصابیح صفحہ نمبر381)

(4)۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما انہ کان یأخذ من لحیتہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ: بلاشبہ آپ اپنی داڑھی کو کاٹا کرتے تھے۔

(جامع المسانید للخوارزمی جلد2صفحہ نمبر441)

(5)۔

عن سماک بن یزید قال : کان علی رضی اللّٰہ عنہ یأخذ من لحیتہ ۔

حضرت سماک بن یزید سے روایت ہے فرمایا کہ: حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اپنی

داڑھی کو کاٹا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر108)

(6)۔

عن ابی زرعۃ قال: کان ابو ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ یقبض علی لحیتہ ثم یأخذ ما فضل عن القبضۃ۔

ابوزرعہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے زائد بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر108)

(7)۔

عن الحسن قال: کان یرخصون فیما زاد علی القبضۃ من اللحیۃ ان یؤخذ منھا۔

حضرت حسن بصری سے روایت ہے فرمایا کہ: انہیں رخصت دی گئی تھی کہ داڑھی کے مٹھی سے زائد بالوں کو کاٹ لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(8)۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما: انہ کان یأخذ ما فوق القبضۃ وقال وکیع: ما جاوز القبضۃ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: بلاشبہ آپ مٹھی سے زائد بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے، اور وکیع کہتے ہیں کہ: داڑھی کے وہ بال جو مٹھی سے تجاوز

کرجائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(9)۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ کان یأخذ من لحیتہ ما جاوز القبضۃ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ آپ بھی داڑھی کے مٹھی سے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(10)۔

عن ابی ہلال قال: سألت الحسن وابن سیرین فقالا: لا بأس بہ ان تأخذ من طول لحیتک۔

ابو ہلال فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت حسن اور حضرت محمد بن سیرین رحمہا اللہ سے اس بارے میں پوچھا تو دونوں نے فرمایا کہ: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنی لمبی داڑھی کو کاٹ لیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(11)۔

عن ابراہیم قال: کانوا یطیبون لحاھم ویأخذون من عرضھا۔

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے فرمایا کہ: (صحابہ کرام) اپنی داڑھیوں کو سنوار کر

رکھتے تھےاوراس کے بڑھے ہوئے بال کاٹ لیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(12)۔

عن ابن طاوس عن ابیہ انہ کان یأخذ من لحیتہ ولا یوجبہ۔

ابن طاوس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ وہ اپنی داڑھی کو کاٹ لیا کرتے تھے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(13)۔

عن افلح قال: کان القاسم اذا حلق رأسہ اخذ من لحیتہ وشاربہ۔

حضرت افلح سے روایت ہے فرمایا کہ: حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جب بھی اپنا سر منڈاتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں کو بھی کاٹا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر109)

(14)۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: من سعادۃ المؤ من خفۃ لحیتہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: مؤمن کی خوش نصیبی اسکی داڑھی کے ہلکا ہونے میں ہی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم12920)

(مجمع الزوائد جلد5صفحہ نمبر215)

چنانچہ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ: داڑھی کو ایک مشت تک بڑھانا واجب اور اس سے زائد بالوں کو تراش دینا سنت ہے، اور حضرات صحابہ وتابعین کا بھی اسی پر عمل تھا۔

نوٹ:۔

یہ سوال غیر مقلد اہلحدیث کے بھرپور اصرار پر ہمارے ایک دیرینہ دوست کی جانب سے کیا گیا تھا، ہمارا جواب علماء اہلحدیث کے پاس پہنچا تو کم وبیش 4 ماہ کے سکوت کے بعد انہوں نے اس پر 2 عدد فتوے ارسال کئے اور مذکورہ بالا تقریباً تمام روایات کو ضعیف، موضوع اور مرجوح ٹھہرالیا، ان دونوں فتووں کی من وعن عبارات اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

غیر مقلدین کے
دو عدد فتوے

(غیر مقلدین کا پہلا فتویٰ)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ

امابعد!

"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (التین)

"واقعی یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے"

حکم داڑھی رکھنا اور اسے معاف کر دینا ہے، جبکہ اوپر نیچے سے دائیں بائیں سے کترنا کاٹنا جناب نبی کریم ﷺ سے قطعی طور ثابت نہیں، جب جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم اور عمل بالکل واضح ہے کہ!

(۱)۔ **خالفوا المشرکین احفوا الشوارب وفروا اللحی۔**

(بخاری (5553)، مسلم (259))

ترجمہ:۔ مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں کاٹو اور داڑھی کو وافر کرو۔

(۲)۔ **عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔** (بخاری (5554)، مسلم)

ترجمہ:۔ مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو اور داڑھی کو معاف کردو۔

(۳)۔ صحیح مسلم میں ہے "**واوفوا اللحی**" اور داڑھی کو پورا مکمل کرو۔
حدیث نمبر (259)

اب داڑھی کا مسئلہ بالکل واضح اور روشن ہوجاتا ہے کہ امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ

ﷺ نے داڑھی کو وافر کرنے، مکمل رکھنے اور معاف کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور صحیح مسلم (260) ہے کہ "**وارخوا اللحی**" اور لٹکاؤ داڑھیوں کو۔

مختصر یہ کہ "**اعفوا**" چھوڑ دو، معاف کردو، "**اوفوا**" پورا رکھو یعنی مکمل رکھو، "**ارخوا**" لٹکاؤ، "**وفروا**" وافر کرو یعنی زیادہ کرو، بڑھاؤ۔

اب جب صاف اور واضح حکم ہے کہ "مکمل کرو"، "پورا رکھو"، "معاف کردو"، "لٹکاؤ" تو خط بنانا، کترنا خلاف سنت نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ صحیح مسلم میں "**امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیہ**" حدیث نمبر (259) کہ دونوں جہانوں کے سردار، سارے نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کے امام جناب محترم ومکرم محمد مصطفیٰ ﷺ نے مونچھیں کاٹنے اور داڑھی معاف کرنے، چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔

کیا اب کوئی "کسر" باقی ہے اب اتنے واضح ارشادات نبوی کو چھوڑ کر کوئی اِدھر اُدھر جائے اور مقابلے میں امتیوں کے عمل پیش کرے تو پہلے وہ یہ بتائے کہ فرمان مصطفی ﷺ بڑا ہے یا کسی امتی کا قول یا عمل، چاہے وہ کوئی بھی ہو اور اتباع اور اطاعت فرمان مصطفی ﷺ اور حکم مصطفی ﷺ کی کرنی ہے یا امتیوں کے عمل کی؟ اور ضعیف اور موضوع احادیث و روایات کو سہارا بنانا کیا درست ہے؟ یا لاعلمی ہے؟

آیئے تفصیل ملاحظہ کریں:

(1) **عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ---** الخ نمبر (۳)

پوری اور مکمل سند: **ھناد حدثنا عمر بن ھارون عن اسامۃ ابن زید عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ---** الخ۔

اس میں "عمر بن ھارون" سخت ضعیف ناقابلِ اعتبار مکمل ضعیف بلکہ بعض نے تو اسے

''کذاب خبیث'' تک کہہ دیا ہے دیکھیے: تہذیب الکمال ترجمہ عمر بن ھارون ،اور ''تقریب''امام ابن حجر کی اسمیں ہے:**متروک و کان حافظا**
یعنی اسے چھوڑ دیا گیا تھا حافظ امام ذہبی نے کہا:
''**واہ،اتھمہ بعضھم**''(الکاشف ترجمہ ھارون)
یعنی سخت ضعیف فضول ہے بعض نے تو اسے جھوٹ سے مُتَّہم بھی کیا ہے،مختصر یہ کہ یہ راوی سخت ضعیف ہے،امام البانی نے اس روایت کو''موضوع''یعنی من گھڑت کہا، ضعیف الترمذی (2762)،امام بخاری نے اس روایت کی سند کے بارے فرمایا ''**لیس اسنادہ اصلا**'' اس کی سند کی کوئی اصل (بنیاد) نہیں ، الترمذی (2762) اس راوی کے بارے مزید تفصیل تہذیب الکمال ،التہذ یب لا بن حجر، الکاشف امام ذہبی کی دیکھیے ، جہاں اس کے بارے کذاب،خبیث جیسے القاب دیکھنے کوملیں گے۔

(2) **عن انس رضی اللہ عنہ ان ابا قحافۃ**۔۔۔۔الخ نمبر(۲)
جامع المسانید للخوارزمی (446/2)

عرض ہے کہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات پر یہ کتاب ہے اس کی سند اس طرح ہے''**عن الھیثم عن رجل ان ابا قحافۃ**۔۔۔الخ''
(مسند ابی حنیفۃ روایت الحصکفی (7))

(ا)۔ اسمیں ''رجل'' مجہول ہے اور مجہول کی رویات نا قابلِ قبول ہوتی ہے۔

(۲)۔امام ابوحنیفہ پر جتنی مسانید ہیں ان میں اس روایت کی صحیح یا حسن سند

پیش کی جائے ورنہ اللہ تعالیٰ کا خوف کریں اور ''**من کذب علی متعمدا فلیتبوأ من النار**'' جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا پس وہ اپنا ٹھکانہ ضرور جہنم میں بنالے۔ بخاری (110)

(۳)۔ اس کے تمام راویوں کے حالات کہ: وہ قابلِ اعتبار ہیں یا نہیں بتائے جائیں۔

(4) ''**من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ**''

یہ روایت ''موضوع'' یعنی من گھڑت ہے، اس میں ''مسکین بن سراج'' منکر الحدیث ہے اور المغیرۃ بن سوید مجہول ہے تفصیل دیکھئے الضعیفۃ (346/1)

امام ابن الجوزی نے موضوعات (166/1) میں نقل کیا۔

مجمع الزوائد کا حوالہ دیا گیا لیکن آگے ہے: **وفیہ یوسف بن الغرق قال الازدی کذاب**، اسمیں یوسف ہے جو کذاب ہے۔

(5)(ا)۔ جتنے بھی آثار پیش کئے گئے ہیں ان کی صحیح احادیث کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں کیونکہ جناب مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات گرامی ان اقوال واعمال سے بڑے، اعلیٰ وافضل ہیں، (۲)۔ عام حالات میں کیا یہ سب صحابہ، تابعین جن کے آثار پیش کئے داڑھی کے ساتھ ایسا کرتے تھے؟

اس کا جواب چاہیے اور وضاحت سے چاہیے۔

(۳)۔ ابن ابی شیبہ (25993) میں ہے:

عن عطاء بن ابی رباح قال: کانوا یحبون ان یعفوا اللحیۃ الا فی حج او عمرۃ۔ (374/8) تابعی عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ (صحابہ تابعین) پسند کرتے تھے کہ: داڑھی کو پورا مکمل رکھا جائے سوائے حج یا عمرہ میں۔اسکی سند صحیح ہے۔[الضعیفۃ تحت (6203)]

یہ جواب سارے آثار کا ہے جن میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا داڑھی کو کترنے کا ذکر ہے، جبکہ یہاں تو عام حالات میں داڑھی کاٹی اور کتری جاتی ہے۔

کیا عام حالات اور حج یا عمرہ کے حالات میں کوئی فرق ہے یا نہیں ذرا ہم عقل سے کام لیں۔

امام محمد بن جریر الطبری نے سورہ الحج کی آیت ۔۔ [۔۔**ثم لیقضوا تفثھم۔۔الخ** کی تفسیر میں ایسے آثار نقل کئے ہیں جن کا مطلب ہے کہ ان کا تعلق حج کے ساتھ ہے، عام حالات کیساتھ نہیں۔**و ما علینا الا البلاغ المبین۔**

عابد الٰہی (مریدکے)

(غیر مقلدین کے کسی گمنام عالم کا دوسرا فتویٰ)

مٹھی سے زائد بال داڑھی کے کاٹنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔

(۱) **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ خالفوا المشرکین اوفر اللحی واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی** (متفق علیہ) ترجمہ۔ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو دوسری روایت مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو

(۲) **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ خالفوا المشرکین احفوا الشوارب اوفروا اللحی** (مسلم جلد 1/129 مع النووی) مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھا کر پورا کرو۔

(۳) **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ جزوا الشوارب وارخوا اللحی** (مسلم) مونچھیں کاٹو اور داڑھیوں کو ڈھیل دے دو

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں، **معناہ اترکوا ولا تتعرضوا لھا بتغیر** داڑھیاں ایسے چھوڑ و کہ کسی قسم کی تبدیلی نہ لاؤ۔

(۴) **عن ابن عمر عن النبی انہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ** (مسلم)

آپ نے مونچھیں کاٹنے اور داڑھیاں چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

(۵) **عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول**

اللّٰہ احفوا الشوارب واعفوا اللحی ۔(البیہقی فی شعب الایمان)الجامع الصغیرجلدنمبر ا ۔

مونچھیں کاٹواورداڑھیاں چھوڑدو۔

(۶) عن انس قال قال رسول اللّٰہ احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود ۔(الطحاوی فی شرح معانی الاثار۔ ۲/۳۳۳۔

مونچھیں کاٹواورداڑھیاں چھوڑدواوریہودکی مشابہت نہ کرو۔

(۷) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ان اھل الشرک یعفون شواربھم ویحفون لحاھم فخالفوھم فاعفوا اللحی واحفوا الشوارب (رواہ◎ار)

مشرک لوگ مونچھیں چھوڑتے اور داڑھیاں کاٹتے رہتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو داڑھیاں چھوڑواورمونچھیں کاٹو۔

(۸) عن ابی امامۃ قال قلنا یا رسول اللّٰہ ﷺ ان اھل الکتاب یقصون عثانینھم ویوفرون سبالھم قال فقال النبی قصوا سبالکم ووفروا عثانینکم وخالفوا اہل الکتاب (مسند احمد جلد نمبر 5) عرض کیا اے اللہ کے رسول اہل کتاب مونچھیں چھوڑتے ہیں اور داڑھیاں کاٹتے ہیں فرمایا تم مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

حافظ ابن حجر نے (المطالب العالیہ بزوائدالمسانیدالثمانیۃ)

باب احفاء الشوارب وتوفیر اللحیۃ من کتاب اللباس ۔ میں ذکر کرتے ہیں داڑھی رکھنا دین دار لوگوں کا کام ہے اور کاٹنا مونڈھنا بے دین لوگوں کا کام ہے۔

(۹) (۱) مسلم مع النووی کتاب الفضائل میں، جابر بن سمرہ سے بیان ہے رسول کریم کی داڑھی مبارک متعلق **وکان کثیر اللحیۃ** ۔(۲) **شمائل الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللّٰہ** ۔ میں ہند بن ابی ہالہ سے بیان ہے(**کان کث اللحیۃ**)(۳)(مسند احمد) میں حضرت علی سے بیان ہے (**ضخیم اللحیۃ**)(۴) زیادات مسند عبداللہ میں ہے(**عظیم اللحیۃ**) دلائل النبوۃ للبیہقی میں بھی عظیم اللحیۃ کے الفاظ ہیں، حضور کی داڑھی گنی تھی، زیادہ بالوں والی تھی، دونوں طرف سے سینہ بھرتی تھی۔

(۱۰) یزید الفارسی بیان کرتے ہیں، **رأیت رسول اللّٰہ فی المنام فی زمن ابن عباس فقلت لابن عباس انی رأیت رسول اللّٰہ فقال ان رسول اللّٰہ** ۔۔۔۔۔۔(الخ)

قد ملأت لحیتہ مابین ھذہ الی ھذہ وقد ملأت بنحرہ ۔ ۔.....(الخ)

لمبی روایت ہے ۔۔۔۔؟ **ترمذی باب ماجاء فی رؤیۃ النبی فی المنام**۔

مختصر ترجمہ: حضور کی داڑھی سے سینہ مبارک بھرا ہوا تھا ابن عباس نے کہا اگر بیداری میں دیکھتا تو یہی بیان کرتا۔

(۱)**فائدہ:۔** لفظ''**اوفروا**''اور''**اعفوا**'' کا معنیٰ لغت القاموس اور کتاب النھایہ فی غریب الحدیث، لابن اثیر صفحہ 366 جلد 3 میں ہے(**ان یوفر شعرھا ولا یقص کا الشوارب من عفا الشعر اذا کثر وزاد**)

ترجمہ: داڑھی کو بڑھایا جائے مونچھوں کی طرح نہ کاٹا جائے۔

(۲)(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی) جلد 4 صفحہ 316 فرماتے ہیں داڑھی زیادہ کرو بغیر کاٹنے کے۔

(۳)اعفاء اللحی کا معنیٰ شیخ محمد حیات سندھی لکھتے ہیں، داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ نا کوئی چیز نہ کاٹنا جیسا کہ قلندریہ لوگ اور بے دین لوگوں کا کام ہے۔۔۔۔(الخ)

(۴)یہی بات (الفائق للزمخشری، الصحاح للجوہری، لسان العرب، تاج العروس ایسے ہی فتح الباری، عمدۃ القاری عینی حنفی، ارشاد الساری میں ہے داڑھی کاٹنا اور مونڈنا حکمِ نبوی کے صریحا خلاف ہے۔

ہماری معلومات میں داڑھی کاٹنا حکمِ رسول کے خلاف ہے۔

آپ کی بیان کردہ 14 روایات میں سے 3 روایات کو رسول کریم کی طرف منسوب کیا گیا ہے جنکی کوئی اصل نہیں ہے آپ کا عمل اور حکم بھی اس کے برعکس ہے اور 3 روایتیں عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا باقی سب اماموں کے ناموں سے بیان کی گئی ہیں۔

فقہ حنفی کا اصول ہے (ان اصول الشرع اربعۃ) شرعی اصول چار ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول (۳) قیاس (۴) اجماع امت۔

مولٰنا صاحب ! اپنے حنفی اصول پر غور کرو کیا اس اصول کے مطابق منفرد صحابی کا عمل یا قول حجت ہے اگر صحابی کا عمل حجت ہے تو فقہ کے اصول میں بیان کیوں نہیں کیا گیا۔

اپنے دلائل کو اصول فقہ کی بنیاد پر بیان کریں حدیث رسول آپ کا مذہب نہیں ہے؟

اہل الحدیث مذہب ہے (**اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء**) اور حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ہمارا عقیدہ ہے (**ولقد عفا عنکم**)، (**و یکفر عنھم من سیأتھم**)

دینِ اسلام میں اگر صحابی رسول اللہ کا قول ، فعل ، یا تقریر بیان کرے وہ دلیل ہے موقوف روایت یعنی منفرد صحابی کا عمل امت کیلئے حجت نہیں ہے، ارشاد خداوندی ہے (**من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ**)، (**و ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا**) (**ان اتبع الا ما یوحی الی**) **فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللّٰہ والرسول** ۔ داڑھی کاٹنا رسول اللہ سے ثابت نہیں۔

حضرت علی کے متعلق ذکر کیا گیا ہے یہ بہت بڑا جھوٹ ہے حضرت علی کی داڑھی سینہ تک تھی۔ (بحمد اللہ)

کیا آپ کے پاس کوئی مرفوع متصل سند کی کوئی روایت نہیں ہے

اپنے بڑوں کی عادت کی طرح آپ نے بھی مرضی کی روایات کو صحیح روایات کے خلاف بیان کیا ہے۔

عبد اللہ بن عمر صرف حج یا عمرہ کے موقع پر کاٹنے کا ذکر ہے اس عمل میں آپ منفرد ہیں یہ عملِ صحابی ہے۔۔۔۔۔۔ (الخ)

ترمذی کی روایت ،**عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۔۔۔** کے متعلق

امام ترمذی خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے سنا ہے

، یہ روایت بے اصل ہے(فتح الباری) جلد نمبر 10 صفحہ نمبر 350

راوی عمر بن بلخی متروک الحدیث ہے، امام یحیی بن معین نے اسے کذاب کہا ہے، احمد بن حنبل ، امام نسائی ، ابوعلی نیشاپوری اس کو ترک کہتے ہیں ، امام دار قطنی نے اسے ضعیف جدا کہا ہے، ابن سور کہتے ہیں کہ محدثین نے اس کی روایت کو چھوڑ دیا ہے۔

میزان الاعتدال حافظ ذہبی نے منکر الحدیث کہا ہے۔

شرح نخبہ میں اس کو ثقہ کا مخالف کہا ہے۔

امام جوزی العلل المتناہیہ میں فرماتے ہیں **ھذا الحدیث لا یثبت عن رسول اللہ**

نیز میں نے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حوالہ سے 5 نمبر حدیث نقل کی ہے پڑھ لیں۔

(ختم شد)

عرضِ حال:۔

مذکورہ بالا عبارات غیر مقلدین کے علماء کے دوعدد فتوؤں کی تھیں جنہیں ہم نے جوں کا توں نقل کر دیا یہ دونوں فتوے اکٹھے ہمارے پاس پہنچے اور ہم نے الحمدللہ العزیز صرف چند دنوں میں ان دونوں فتوؤں کا مدلل اور مفصل جواب لکھ کر روانہ کر دیا جس کا جواب تا دمِ تحریر نہیں آیا ہم نے اپنے اس جوابی مقالے کا نام ''**اللحیۃ الشرعیہ**'' رکھا اور اب نہایت محترم صاحبانِ ذوق دوستوں کی فرمائش پر اس میں مزید دلائل وعبارات کا اضافہ کر کے کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے تا کہ یہ تحقیق عنیق ''**قیدوا العلم بالکتاب**'' کے پیشِ نظر دفترِ مکتوبات میں محفظ ہو کر عاطشانِ تحقیق کیلئے مفید ثابت ہو۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں ! ۔

۔۔۔۔۔

غیر مقلدین کے ان دونوں فتووں کا مدلل علمی جواب

’’اللحیۃ الشرعیۃ‘‘

داڑھی کی شرعی مقدار

تصنیف

ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی

(سانگلہ ہل)

مقدّمه

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی زین الرجال باللحی، والعاقبۃ للمتقین الذین اصطفی،

والصلوۃ والسلام علی سیدنا رسولہ الکریم المجتبی ﷺ

وعلی آبائہ وآلہ واصحابہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ الذین ارتضی

امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم:

"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (والتین: 4)

صدق اللّٰہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ﷺ۔

غیر مقلد محقق مولوی عابد الٰہی!

بلا تاخیر وتمہیدِ مزید! تمہارے 2 عدد فتوے اکٹھے موصول ہوئے جن میں ایک تمہارا اور دوسرا تمہارے کسی گمنام مفتی کا فتویٰ شامل تھا۔۔۔۔۔ اچھی طرح پڑھا۔۔۔۔ کھٹی میٹھی باتوں سے قطع نظر! تمہاری شدید فرمائش پر ہم جواب بالوضاحت پیش کررہے ہیں۔

چنانچہ کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھیاں بڑھانے کا حکم مختلف الفاظ مثلاً! "**اعفوا، وفروا، ارخوا، اوفوا**" وغیرھا کے ساتھ دیا ہے جن کا مفہوم یہی ہے کہ: "داڑھیاں بڑھاؤ"۔

لہٰذا خبردار! ہم نہ تو حکمِ اعفائ (داڑھیاں بڑھانے) کے منکر ہیں اور نہ ہی اعفاء کی عمومیت سے ہمیں کوئی پریشانی، بلکہ داڑھیاں بڑھانے والی حدیث کے بارے میں جو مؤقف اصحابِ مصطفی ﷺ رضی اللہ عنہم کا تھا ہمارا بھی الحمدللہ وہی موقف ہے لیکن تم نے خواہ مخواہ "**طوعاً وکرھاً**" اسے محلِ اختلاف بنالیا، دراصل

اختلاف تو اس میں تھا ہی نہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟، اور نہ ہی ''**حدیثِ اعفاء**'' کے حکم ''**تعمیمِ اعفائ**'' میں کوئی شک، کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ ایک مشت ہونے سے پہلے ہی داڑھی کو تراش لینا ممنوع وفسقِ شرعی ہے اور پھر یہ بھی تو ظاہر ہے کہ: جنابِ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''**اعفوا**'' وغیرہ میں عمومیت پائی جاتی ہے جسے بلا تأمل ماننا لازم ہے، لیکن یہ حکم ''عام'' کی کونسی قسم سے متعلق ہے؟ یہی محلِ اختلاف ہے۔

بلکہ حیرت انگیز طور پر داڑھی کے سلسلے میں ہمارے اور تمہارے ''کٹر'' علماء کے درمیان بھی کوئی خاص اختلاف نہیں ہے بلکہ تمہارا فتویٰ پڑھ کر مزید تعجب ہوا کہ: بجائے ''ارجاح وترجیح'' کے زوائدِ قبضہ سے داڑھی تراشنے پر سیدھا سیدھا ''خلافِ سنت'' ہونے کا فتوٰی جڑ دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ: شاید تمہیں اپنے علماء کی کتب دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا، ورنہ داڑھی کے ایک مشت سے زائد بڑھے ہوئے بال کٹانے پر خلافِ سنت ہونے کا یہ ''لایعنی'' فتویٰ نہ دیتے، چنانچہ حق یہ ہے کہ: اس سلسلے میں سلطنتِ جمہور کے مدِ مقابل بنائی جانے والی تمہاری یہ ''ڈیڑھ اینٹ'' کی عمارت کی کوئی حیثیت نہیں۔

ازیں قطع نظر! تمہارے موقف سے ثابت ہوتا ہے کہ: داڑھی کے سلسلے میں تمہارے اور ہمارے درمیان اس سارے اختلاف کی بنیاد صرف ''**اعفوا اللحی**'' میں مسئلہ ء ''**عمومیت**'' ہی ہے، چنانچہ تمہارے نزدیک یہ ''**عموم بلا تخصیص**'' ہے اور ہمارے نزدیک ''**عموم بالتخصیص منہ**'' ہے ،یعنی تم تعمیم اعفاء سے کچھ خاص نہ کرنے کے قائل ہو اور ہم اس عمومیت میں سے

''بعض'' کی تخصیص کے حق میں ہیں۔

چونکہ تم نے اپنے فتویٰ میں حدیثِ اعفاء کی عمومیت کو جمہور کی تصریحات ذکر کئے بغیر فقط اپنی ذاتی رائے سے ہی بلا تخصیص تصور کیا، حالانکہ تمہیں اپنے مؤقف کے اثبات کیلئے یا تو حدیث کا صحیح معنیٰ و مفہوم سمجھنا چاہیے تھا یا پھر اتنی سی سمجھ بوجھ کیلئے جمہور علماء کے مقولات و منقولات کا سہارا لینا چاہیے تھا، کیونکہ جمہور کی متفقہ تحقیقات کی ثقاہت اور انہیں دلیل بنانا خود قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا!

(1)۔ ''ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ولولا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطن الا قلیلا''۔(النساء:83)

یعنی (اور اگر وہ لوگ اس (مسئلہ) کو رسول کریم ﷺ کی طرف اور اپنے میں سے امر (علم) والوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے جو مسائل میں کاوش کرتے ہیں اور اگر اللہ کا تم پر فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور شیطان کی پیروی میں لگ جاتے مگر بہت تھوڑے)۔

(2)۔ ''من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وسائت مصیرا''۔(النساء:115)

یعنی (جو شخص حق واضح ہوجانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور مؤمنین کے راستے سے ہٹ کر پیروی میں لگ جائے تو ہم اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے نیز وہ کیا ہی بری جگہ ہے)۔

لہٰذا حدیثِ ''**اعفائ**'' کے معنیٰ کی تحقیق و تعیین میں جمہور علماء محدثین وشارحین متفق ہیں کہ: ''**عموم**'' سے مراد ''**عموم بالتخصیص منہ**'' ہی لیا جائے گا۔

چنانچہ!

☆۔ علامہ سراج الدین ابن ملقن نے امام طبری کے حوالے سے فرمایا کہ:

''**قال الطبری: فان قلت: ما وجہ قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "اعفوا اللحی" وقد علمت ان الاعفاء الاکثار وان من الناس من ان ترک شعر لحیتہ اتباعا منہ لظاہر ھذا الحدیث تفاحش طولا وعرضا وسمج حتی صار للناس حدیثا و مثلا، قیل: قد ثبتت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی خصوص ھذا الخبر**''۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد 28 صفحہ 116)

یعنی (امام طبری فرماتے ہیں کہ: چنانچہ اگر تم کہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''داڑھیاں بڑھاؤ'' کا مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ: ''**اعفائ**'' کا معنیٰ ''**اکثار**'' یعنی زیادہ کرنا ہے چنانچہ اگر کچھ لوگ اس حدیث کے ظاہر کی اتباع میں اپنی داڑھیوں کو لمبا کرتے جائیں کہ یہ لمبائی اور چوڑائی حد سے بڑھ جائے اور بری معلوم ہونے لگے تو لوگوں کو طرح طرح کی باتیں اور مثالیں سننے کو ملیں گی، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی اس حدیث ''**اعفوا اللحی**'' کے عموم کی تخصیص ثابت ہے)۔

☆۔ بعد ازاں امام طبری کے پیش کردہ اس جواب پر تصدیقی مہر ثبت کرتے ہوئے علامہ امام ابن ملقن اسی کے آگے یہ فیصلہ کن ''قول'' تحریر فرماتے ہیں کہ:

”**والصواب ان قوله** ﷺ: **”اعفوا اللحی“ علی عمومه الا ما خص من ذالک**“یعنی (یہی درست ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے فرمان ”داڑھیاں بڑھاؤ“ کا حکم وہ عام ہے جس سے کچھ خاص کیا گیا ہے)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد28صفحہ116)

نیز مسئلہ ”**تعمیمِ اعفائ**“ کے حل سے ہی ایک دوسرا اختلاف بھی ختم ہوجاتا ہے کہ: آیا شرع شریف میں داڑھی کی کوئی ”**حدِ معین**“ ہے یا نہیں؟ ہم ”**عموم بالتخصیص**“ کی طرف مائل اسی لئے حد کے قائل اور تم ٹھہرے ”**عموم بلا تخصیص**“ کے دعویدار جو بے حد طوالت کے علمبردار، چنانچہ جس طرح داڑھی کو مشت سے کم کروانا (خواہ مونڈ کر ہو یا کتر کے) بالاتفاق ناجائز و گناہ ہے یونہی جمہور ائمہ و علماء کے نزدیک اس کا طولِ فاحش یعنی بے حد بڑھا دینا کہ ناف کو چھوتی ہو یا اس سے بھی بڑھ جائے جو حدِ تناسب سے خارج اور باعثِ انگشت نمائی ہو مکروہ و ناپسند ہے، اور ہو بھی کیوں نہ؟ جب کہ خود شرع شریف میں میانہ روی ہی مطلوب و مسنون و مرغوب و مشروع و محبوب ہے۔ چنانچہ!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(فصل)

اسلام میں میانہ روی

اسلام میں میانہ روی کو ہی پسند کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تعلیماً ارشاد فرمایا: ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' یعنی اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے اور جمہور علمائ''**صراط مستقیم**'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''**مابین الافراط والتفریط**'' وہ راستہ جو کمی وزیادتی سے پاک ہو نیز اسی میانہ روی پر اللہ کے سبھی نیک بندوں کا عمل رہا کیونکہ فرمایا: ''**صراط الذین انعمت علیھم**'' یعنی یہ میانہ روی والا راستہ ان لوگوں کا ہے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے، سوال اٹھا کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر یہ انعام ہوا؟ فرمایا: ''**انعم اللّٰہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین**'' یعنی میانہ روی کے انعام یافتہ لوگوں میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین شامل ہیں، نیز پھر سوال اٹھا کہ اس راستے پر کون نہیں چلتا؟ فرمایا: ''**غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**'' یعنی اللہ کے غضب کے مستحق اور گمراہ لوگ اس راستے سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا: ''**وکان بین ذالک قواما**'' یعنی اللہ کے نیک بندے کمی وزیادتی کے درمیان میانہ روی پر ہی رہتے ہیں۔

نیز فرمایا: ''**وابتغ بین ذالک سبیلا**'' یعنی کمی اور زیادتی کے درمیان والا راستہ تلاش کرو۔

نیز فرمایا: ''**عوان بین ذالک**'' یعنی وہ (گائے) کمی اور زیادتی سے درمیانی عمر میں ہونی چاہیے۔

ان آیات میں اگرچہ داڑھی کا ذکر نہیں لیکن ہر عاقل و عالم جانتا ہے کہ: یہ آیات اسلام

کے سبھی امور میں میانہ روی اختیار کرنے پر بہترین دلیلیں ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی میانہ روی کی فضیلت میں ارشاد فرمایا : ''**خیر الامور اوسطھا** ''یعنی سب سے بہتر کام میانہ روی والا ہی ہوتا ہے،

نیز قدوۃ الاولیاء امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: ''**فان مبنی الشرائع علی التوسط بین المنزلین** ''یعنی بلاشبہ شرع شریف کی بنیاد دو مرتبوں کے درمیان میانہ روی ہی اختیار کرنا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ للشاہ ولی اللہ جلد2 صفحہ 337)

نیز فرمایا کہ: ''**یرید التوسط بین الافراط و التفریط**'' یعنی رسول اللہ ﷺ کمی وزیادتی سے پاک درمیانہ راستہ ہی چاہتے ہیں۔

(حجۃ اللہ البالغۃ للشاہ ولی اللہ جلد2 صفحہ 338)

(فصل)

داڑھی میں میانہ روی

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ان الفاظ سے تسبیح بیان کرتے ہیں کہ: ''**سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب**'' یعنی (پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو مینڈیوں سے سجایا)۔

(کنوز الحقائق للمناوی جلد 1 صفحہ 322 رقم 4043)

(کشف الخفاء للعجلونی جلد 1 صفحہ 393 رقم 1445)

نیز فرمایا: ''**ملائکۃ السماء تستغفر لذوائب النساء ولحی الرجال**'' یعنی (آسمان کے فرشتے داڑھی والے مردوں اور مینڈیوں والی عورتوں کیلئے استغفار کرتے ہیں)۔

(کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ 155 رقم 7026)

امام ابو طالب المکی اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ: ''**فان اللحیۃ زینۃ الرجال فان اللہ سبحانہ و ملائکتہ یقسمون والذی زین بنی آدم باللحی وھو من تمام الخلق وبھا یتمیز الرجال عن النساء وقیل فی غریب التأویل: اللحیۃ ھی المراد بقولہ تعالیٰ "یزید فی الخلق ما یشائ" قال اصحاب الاحنف بن قیس: وددنا ان نشتری للاحنف لحیۃ ولو بعشرین الفاً، وقال شریح القاضی: وددت لو ان لی لحیۃ ولو بعشرۃ آلاف، وکیف تکرہ اللحیۃ وفیھا تعظیم الرجل والنظر الیہ بعین العلم والوقار والرفع فی المجالس واقبال الوجوہ الیہ**

والتقدیم علی الجماعة ووقایة العرض ،فان من یشتم یعرض باللحیة ان کان للمشتوم لحیة‘‘۔

(احیاء العلوم للغزالی جلد 1 صفحہ 168)

(قوت القلوب لا بی طالب مکی جلد 2 صفحہ 240)

یعنی بلا شبہ داڑھی مردوں کی زینت ہے اور اللہ اور اسکے فرشتے یوں قسم اٹھاتے ہیں کہ: اس ذات کی قسم! جس نے اولادِ آدم کو داڑھیوں سے سجایا، کیونکہ داڑھی مردانگی کا کمال ہے اور ظاہری صورت میں اسی سے مردوں اور عورتوں کا فرق نمایاں ہوتا ہے، اور ’’غریب التأویل‘‘ میں کہا گیا ہے کہ: اللہ کے اس فرمان ’’**یزید فی الخلق مایشائ**‘‘ سے داڑھی مراد ہے، نیز احنف بن قیس کے اصحاب کہا کرتے تھے کہ ہم چاہتے ہیں کہ احنف کیلئے کہیں سے داڑھی خرید لاتے اگرچہ 20 ہزار میں ہی سہی، اور قاضی شریح کہا کرتے تھے کہ کاش میری بھی داڑھی ہوتی اگرچہ دس ہزار کے بدلے ہی سہی، چنانچہ اس کے باوجود تم داڑھی سے نفرت کیسے کر سکتے ہو حالانکہ اسی میں مرد کی تعظیم ہے، اسی وجہ سے داڑھی والے کو علم ووقار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، نیز داڑھی والے کو مجالس میں رفعت نصیب ہوتی ہے، لوگ اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں، اسے جمعت پر مقدم کیا جاتا ہے، اس کی عزت بھی محفوظ رہتی ہے، اور تو اور گالی دینے والا داڑھی والے سے اجتناب کرتا ہے۔

چونکہ ثابت ہو چکا کہ: داڑھی آدمی کی زینت ہے اور زینت میں بھی اعتدال ہی مطلوب ومقصودِ شرعی ہے، کیونکہ بلا شبہ دوسرے معاملات کی طرح داڑھی میں بھی میانہ روی کا لحاظ رکھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے

بارے میں حدیث کی مختلف کتابوں میں ''**کث اللحیۃ**''، ''**عظیم اللحیۃ**''، ''**ضخم اللحیۃ**'' اور ''**کثیر اللحیۃ**'' وغیرہ کے لفظ بیان کئے گئے ہیں جن کا معنی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی تھی۔

اسی طرح عموما مستندات میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ: ''**فی وصف رسول اللّٰہ** ﷺ **انہ کان کث اللحیۃ**'' یعنی (رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی تھی)۔

چنانچہ عین ممکن ہے کہ کوئی بے شعور ان الفاظ ''**کث اللحیۃ**''، ''**عظیم اللحیۃ**''، ''**ضخم اللحیۃ**'' یا ''**کثیر اللحیۃ**'' کا یہ معنی سمجھ لے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک بہت زیادہ لمبی تھی تو جناب! اس وہم کو بھی علماء جمہور نے اپنی کتابوں میں یہ ثابت کر کے رفع کر دیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک زیادہ طویل نہ تھی بلکہ میانہ روی کا ہی حسین نمونہ تھی چنانچہ!

(1)۔

العلامہ امام شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی جناب رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''**کث اللحیۃ: بفتح الکاف ای غیر دقیقھا ولا طویلھا**'' یعنی ''**کث اللحیہ**'' میں کاف پر زبر ہے جس کا معنی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک نہ تو باریک تھی اور نہ ہی زیادہ لمبی۔

(اشرف الوسائل شرح الشمائل لابن حجر الھیثمی صفحہ 66)

(2)۔

الامام الشارح علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ: ”**ولیست بطویلة**“ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک زیادہ لمبی نہیں تھی۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء للخفاجی جلد 1 صفحہ 331)

(3)۔

علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی ”**کث اللحیة**“ کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”**الکثة التی کثر نباتھا من غیر طول ولا رقة**“ یعنی (گھنے بالوں کو ”**الکثہ**“ کہتے ہیں جو نہ زیادہ لمبے ہوں اور نہ ہی باریک)۔

(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 4 صفحہ 1886)

(4)۔

الشیخ امام ابونعیم بیان فرماتے ہیں کہ: ”**وقوله : کث اللحیة: الکثوثة ان تکون اللحیة غیر دقیقة ولا طویلة ولکن فیھا کثافة من غیر عظم ولا طول**“ یعنی (حدیث پاک کے بیان کردہ ”**کث اللحیة**“ میں ”**کثوثہ**“ سے مراد ایسی داڑھی ہے جو نہ تو ہلکی ہو اور نہ ہی زیادہ لمبی ہو لیکن اس میں گھنا پن ضرور ہو جس میں بے جا لمبائی نہ ہو)۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ 633)

میں کہتا ہوں کہ: یہ چند تحقیقی اور مسلمہ اقوال اس بات کی تائید میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی ضرور تھی لیکن زیادہ طویل نہ تھی جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کیلئے ”**کثیف اللحیه**“، ”**کثیر اللحیة**“، ”**کث اللحیه**“، ”**عظیم اللحیه**“ اور ”**ضخیم اللحیة**“

جیسے الفاظ تو روایت کئے گئے ہیں البتہ کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے بارے میں ''**طویل اللحیۃ**'' بیان نہیں کیا، لہذا جمہور علماء کے مطابق یہ تمام روایت شدہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے سینے تک ہونے کے ہی حق میں ہیں اس سے متجاوز نہیں۔

چنانچہ اگر تم یہ اعتراض اٹھاؤ کہ: روایت شدہ ''**عظیم اللحیۃ**'' کے لفظ سے طویل داڑھی مراد ہو سکتی ہے جو ناف کو چھوتی ہو؟

تو میں کہتا ہوں کہ: ایک تو یہ روایت و درایت کے ہی خلاف ہے کیونکہ دوسری روایتوں میں سینے تک کی قید بالکل واضح ہے اور دوسرا یہ کہ: اگر تھوڑی دیر کیلئے یہ مان بھی لیا جائے کہ: ''**عظیم**'' کا لفظ ''طوالت'' کے معنیٰ میں آتا ہے!

تو جناب! سوال یہ ہے کہ: بالکل یہی لفظ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے موئے پُر نور کے سلسلے میں بھی روایت کیا گیا ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''**کان رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **عظیم الجمۃ**'' یعنی (رسول اللہ ﷺ ''عظیم'' زلفوں والے تھے)

اب کیا یہاں سے یہ استدلال کرنا بجا ہوگا کہ: رسول اللہ ﷺ کی زلفیں عنبریں ''**عظیم**'' یعنی کمر تک یا اس سے بھی زیادہ طویل تھیں؟ حالانکہ اسی حدیث میں ساتھ ہی یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ: ''**جمتہ الی شحمۃ اذنیہ**'' یعنی رسول اللہ ﷺ کی زلفیں آپ ﷺ کے کانوں تک تھیں۔

جی ہاں! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو! کہ کانوں تک زلفوں کو ''**عظیم**'' فرمایا گیا ہے تو داڑھی مبارکہ کو ''**عظیم**'' فرمانے سے ایک مشت مراد کیوں نہیں ہو سکتا؟ آخر

کس قاعدے کلیے کی وجہ سے سینہ مبارک سے متجاوز مان لیا جائے؟

ہم تو کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کا پورا وجودِ مسعود ہی ''**عظیم**'' تھا جس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ: آپ ﷺ کا وجود مبارک بہت طویل تھا بلکہ مطلب صاف ظاہر ہے کہ: آپ ﷺ کا وجود مبارک میانہ روی کا بے مثال اور حسین نمونہ تھا اسی طرح روایت میں آیا ہے کہ: ''**لیس بالطویل الذاھب ولا بالقصیر**'' یعنی (نہ تو آپ بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی چھوٹے قد والے تھے)، بلکہ آپ ﷺ ''معتدل القامۃ'' یعنی درمیانے قد والے تھے اور ایسے ہی ریش مبارک بھی ''معتدل'' یعنی میانہ روی کا مظہرِ اتم تھی، چنانچہ مزید ملاحظہ کرو!

(5)۔

الشیخ امام ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ: ''**مقدار قبضة علی ماھو السنة والاعتدال المتعارف**'' یعنی (داڑھی ایک مشت کی مقدار ہی سنت ہے اور یہی راہِ اعتدال ہے)۔

(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 274)

(6)۔

نیز الشیخ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ: ''**انه** ﷺ **کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها بالسویة ، کما فی الروایة ، لتقرب من التدویر من جمیع الجوانب، لان الاعتدال محبوب والطول المفرط قد یشوه الخلق، ویطلق السنة المغتابین ففعل ذالک مندوب مالم ینته تقصیص اللحیه**

، وجعلها طاقات فیکرہ، وکان بعض السلف یقبض علی لحیته،فیأخذ ما تحت القبضة،وقال النخعی: عجبت لعاقل کیف لا یأخذ من لحیته ، فیجعلها بین لحیتین، فان التوسط فی کل شیء حسن ''۔

(الزرقانی علی المواهب جلد5صفحه508)

یعنی (بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کوطول وعرض سے تراشا کرتے تھے، جیسا کہ روایت میں ہے، یہ تراشنا تمام طرفوں سے گولائی مانند کرنے کے لئے ہی ہوتا تھا کیونکہ یہاں بھی میانہ روی ہی محبوب تھی اور رہا بے جالمبا کرلینا تو اس سے چہرا بگڑ جاتا ہے جس وجہ سے لوگ زبانیں دراز کرتے ہیں چنانچہ یہ تراشنا پسندیدہ فعل قرار پایا جب تک کہ داڑھی کو مشت سے بھی کم نہ کرلے ورنہ مشت سے کم کرلینا تو ناپسندیدہ عمل ہے اور بعض اسلاف بھی اپنی داڑھیوں کو مشت میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ دیا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم النخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس عقل والے پر تعجب ہے جو اپنی داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کو نہ کاٹے اسے چاہیے کہ وہ اپنی داڑھی کو اس کی دونوں طرفوں (کمی ،زیادتی) کے درمیان کرلے کیونکہ میانہ روی ہر چیز میں اچھی ہوتی ہے)۔

(7)۔

العلامہ الشیخ البروسوی لکھتے ہیں کہ: **''فان الطول المفرط یشوہ الخلقة، ویطلق السنة المغتابین بالنسبة الیه فلا بأس للاحتراز عنه علی ہذہ النیة ،قال النخعی رحمه اللّٰه : عجبت**

لرجل عاقل طویل اللحیۃ کیف لا یأخذ من لحیتہ ،فیجعلھا بین لحیتین ،ای طویل و قصیر ، فان التوسط فی کل شیء حسن ''۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام للبروسوی صفحہ 362)

یعنی (پس بلا شبہ حد سے زیادہ لمبا ہونا چہرے کو بگاڑتا ہے جس کی نسبت لوگ زبانیں دراز کرتے ہیں چنانچہ اس قباحت سے بچتے ہوئے اس نیت سے زائد بالوں کو کاٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس سمجھدار آدمی پر حیرت ہے جس کی داڑھی بہت لمبی ہو کہ وہ اپنی داڑھی کو تراشتا کیوں نہیں؟ اسے چاہیے کہ: وہ اسے دونوں طرفوں یعنی بہت چھوٹی اور بہت لمبی کے درمیان میں کرلے کیونکہ ہر شیء میں میانہ روی اچھی ہوتی ہے)۔

(8)۔

امام ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ: **''ترکتم قدر المستحب ، وھو مقدار القبضۃ، وھی الحد المتوسط بین الطرفین المذمومین من ارسالھا مطلقاً و من حلقھا و قصھا علی وجہ استئصالھا ''۔**

(شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری صفحہ 423)

یعنی (تم داڑھی کی مستحب مقدار چھوڑ دو اور وہ ایک مشت کی مقدار ہی ہے اور یہی درمیانی حد ہے دو مذموم طرفوں کے درمیان جن میں سے ایک مطلقاً لٹکا دینا ہے اور دوسری اسے مونڈ دینا اور جڑ سے اکھیڑنے کے قریب کاٹ دینا ہے)۔

(9)۔

الشیخ الامام محمد عبدالرؤوف المناوی داڑھی میں میانہ روی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:"**ففی الخبر دلالۃ علی انہ خیر الامور فی التزین الوسط وترک المبالغۃ**"یعنی (داڑھی والی حدیث میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ زیب وزینت کے تمام امور میں میانہ روی ہی بہتر ہوتی ہےاور مبالغہ کوچھوڑ دیناہی اہم ہوتا ہے)۔

(فیض القدیر للمناوی جلد7صفحہ517رقم8251)

نیز علامہ مناوی، جناب رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے میانہ روی کا مظہرِ اتم ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے یوں بھی فرماتے ہیں کہ:"**وذالک لیقرب من التدویر جمیع الجوانب ، لان الاعتدال محبوب ، والطول المفرط قد یشوہ الخلقۃ ویطلق السنۃ المغتابین** "یعنی (رسول اللہ ﷺ کا اپنی ریش مبارک کوطول وعرض سے تراشنااس لئے تھا تاکہ ریش مبارک تمام طرفوں سے گولائی کے قریب ہوجائے کیونکہ اس میں بھی میانہ روی ہی محبوب ہے اور بے جالمبا کردینا چہرے کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتا ہے اوراس سے بعض کی زبانیں بھی چلنےلگتی ہیں)۔

(فیض القدیر للمناوی جلد6صفحہ578)

(10)۔

الشیخ الامام غزالی فرماتے ہیں کہ:"**والامر فی ہذا قریب ان لم ینتہ الی تقصیص اللحیۃ وتدویرھا من الجوانب فان**

الطول المفرط قد یشوہ الخلقۃ ویطلق السنۃ المغتابین بالنبذ الیہ فلا بأس بالاحتراز عنہ علی ہذہ النیۃ،وقال النخعی :عجبت لرجل عاقل طویل اللحیۃکیف لا یأخذ من لحیتہ ، ویجعلھا بین لحیتین ، فان التوسط فی کل شیء حسن''۔

(احیاءالعلوم للغزالی جلد1 صفحہ166)

اوراس معاملہ میں اعتدال یہی ہے کہ اگر داڑھی کاٹنے اور کناروں سے گولائی مانند کرنے سے گریز کیا جائے تو داڑھی کی ایسی بے جالمبائی کبھی صورت کو بگاڑ دیگی اور غیبت کرنے والوں کی زبانیں بھی کھول دیگی لہذا اس نیت سے بے جالمبائی سے بچتے ہوئے داڑھی کے زوائد کو تراشنے میں کوئی حرج نہیں، نیز حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس سمجھدار آدمی پر حیرت ہے جس کی داڑھی بہت لمبی ہو کہ وہ اپنی داڑھی کو تراشتا کیوں نہیں؟ اسے چاہیے کہ: وہ اسے دونوں طرفوں کے درمیان میں کر لے کیونکہ ہر شیء میں میانہ روی اچھی ہوتی ہے۔

(11)۔

العلامہ الشیخ سراج الدین ابن ملقن فرماتے ہیں کہ:''**وعلۃ توفیر اللحیۃ ان فیہ جمالا للوجہ وزینۃ للرجال وجاء فی بعض الخبر : ان اللّٰہ تعالیٰ زین بنی آدم باللحی ، ولان الغرض بذالک مخالفۃ الاعاجم وھذا مالم یخرج بطولھا عن الحد المعتاد فیقضی لصاحبھا الی ان یسخربہ''۔**

(التوزیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد28صفحہ115)

یعنی (داڑھیاں بڑھانے میں حکمت یہ ہے کہ: اس سے چہرے کا جمال اور مردانگی کا کمال ہے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو داڑھیوں کے ساتھ زینت بخشی، اور داڑھی رکھنے کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ: عجمی کفار کی مخالفت ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ: داڑھی حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے تو داڑھی والے کو چاہیے کہ: اس کے ذریعے دوسروں کو بھی اُبھارے)۔

چنانچہ اگر ضد کی عینک اتار کر انصاف کی نظروں سے دیکھو تو یہ ماننے میں تمہیں ذرا بھی پریشانی نہ ہوگی کہ: رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کی ریش ہائے مبارکہ بھی حدِ اعتدال سے متجاوز نہ تھیں چنانچہ اس بات کا اقرار تو تمہارے مجہول مفتی نے بھی اپنے فتویٰ میں بالدلائل کیا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک سینے تک تھی''۔

لہذا عقل سے کام لے کر بتاؤ کہ: کیا یہ ممکن ہے؟ کہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے موئے مبارک تو بڑھتے ہوں اور تراشے بھی جاتے ہوں لیکن ریش مبارک پوری حیاتِ ظاہری بے تراشے سینہ مبارک سے آگے ہی نہ بڑھی ہو؟

کیا کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کا سینہ مبارک سے تجاوز کر جانا روایت کیا ہے؟ اگر کیا ہے، تو پیش کرو ورنہ اپنی عقل کو اتنا سوچنے کی ذمہ داری بھی مرحمت کر دو کہ: آخر کیا وجہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک پوری زندگی سینہ مبارک سے آگے ہی نہیں بڑھی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ ﷺ واقعی ریش مبارک کو تراش کر مزید بڑھنے سے روکتے رہے؟ یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ: شاید بطور

خصوصیت ریش مبارک کے بال بڑھتے ہی نہ تھے؟

اگر کہو کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کو تراش کر مزید بڑھنے سے روکا کرتے تھے تو پھر دیر کس بات کی ہے؟۔۔۔ کہہ ڈالو! کہ داڑھی کو مزید بڑھنے سے روکنے کیلئے تراشنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے خلافِ سنت نہیں۔

لیکن اگر تم یہ کہو کہ: رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک کے موئے پُرنور قدرتی طور پر سینہ مبارک سے تجاوز ہی نہیں کرتے تھے تو سب سے پہلے تو ''**فأتوا برھانکم ان کنتم صادقین**'' تم اس کی کوئی دلیل پیش کردو اگر سچے ہو ورنہ تمہیں مان جانا چاہیے! کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے مزید نہ بڑھنے کا سبب ''اخذِ لحیہ'' یعنی تراشنا ہی تھا اور دوسرا یہ کہ: اگر عادت سے مجبور دلیل کی عدمِ دستیابی کے باوجود اسی پر ''اڑے'' رہو کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے موئے پُرنور بڑھتے ہی نہ تھے'' تو ''سبحان اللہ'' تمہارا یہ قول ہمارے لئے سابق سے بھی زیادہ خوشی کا باعث ہے تو ہمیں اسے تمہاری طرف سے پہلا دعویٰ سمجھتے ہیں۔

اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک سمیت پورے کا پورا چہرا ایسا کمال کا حسین تھا کہ حضرت اماں عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب بھی اپنا چہرہ پاک آئینے میں دیکھا کرتے تھے تو یوں اللہ کی حمد کی کرتے تھے کہ: ''تمام خوبیاں اللہ کے لئے جس نے میری صورت کو حسین بنایا'' اور صرف چہرہ مبارک ہی نہیں بلکہ ریش مبارک بھی خوب حسین تھی چنانچہ: علامہ ابن عساکر سمیت کئی معتمد علیہ علماء مثلاً! عارف باللہ امام یوسف بن اسماعیل النبھانی، جناب رسول اللہ ﷺ

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:''**حسن اللحیۃ**''یعنی رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک نہایت حسین ہے۔

(الانوارالمحمدیہ للنبہانی صفحہ128)

اسی طرح علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی''**جامع الآثار فی مولد النبی المختار** ﷺ''،امام طبرانی''**المعجم الکبیر**''، امام بخاری''**التاریخ الکبیر**''،امام الہیثمی''**مجمع الزوائد**''اورامام بیہقی''**دلائل النبوۃ**'' میں فرماتے ہیں کہ:ایک شخص (حضرت عداء بن خالد) جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا جب ان سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف کے بارے میں پوچھا گیا تو بولے :''**کان حسن السبلہ ،قال: وکانت العرب اہل الجاہلیۃ یسمون اللحیۃ :سبلۃ**''یعنی (رسول اللہ ﷺ حسین''**سبلہ**''والے ہیں ، راوی کہتے ہیں کہ: زمانہ جاہلیت میں عرب داڑھی کو''**سبلہ**'' کہتے تھے)۔

(جامع الآثار لابن ناصرالدین الدمشقی جلد4صفحہ1887)

(دلائل النبوۃ لامام بیہقی جلد1صفحہ117)

چنانچہ اب اس توضیح کے ساتھ اگرتمہارا پہلا دعویٰ یعنی (جناب رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک بغیر تراشنے کے قدرتی طور پر ہی گول تھی اور اس سے آگے نہ بڑھتی تھی) کو ملا یا جائے تونتیجہ یوں نکلے گا کہ:اگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ریش مبارک کو بڑھنے ہی نہیں دیا تومحض اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے اس سے زیادہ لمبے نہ ہونے میں ہی آپ ﷺ کی دیدہ زیبی تھی ،یعنی دوسرے

لفظوں میں یوں کہہ لو کہ: داڑھی کے ایک مشت تک ہونے میں ہی جو حسن ہے وہ اس سے زیادہ ہونے میں نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کو بے حد بڑھا دیتا چنانچہ اب ذرا سا انصاف سے بتاؤ! کہ تم میں سے جن لوگوں کی داڑھیاں رسول اللہ ﷺ کی حدِ مقدار سے بڑھ کر ناف یا اس سے بھی نیچے پہنچ جاتی ہیں، کیا یہ خلافِ سنت نہیں؟ اور کیا یہ سنت کے ساتھ مذاق نہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**'' یعنی (ہم نے انسان کو حسین صورت میں پیدا فرمایا ہے)، نیز حدیث پاک میں ہے کہ: ''**ان اللّٰہ جمیل واللّٰہ یحب الجمال**'' یعنی (اللہ جمیل ہے اور جمال کو ہی پسند کرتا ہے)۔

اور ظاہر ہے کہ: ''**احسن تقویم**'' اور ''جمال'' میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دوسرا بہترین نمونہ ہو ہی نہیں سکتا اور رسول اللہ ﷺ کے اس جمال وکمال میں ریش مبارک کا اعتدال بڑے معانی رکھتا ہے چنانچہ جس کی داڑھی رسول اللہ ﷺ کی مقدارِ ریش سے میل کھائے اسی کی داڑھی حسن وجمال کا باعث بنے گی۔

(فصل)

اخذِ لحیہ کی شرعی حیثیت میں اختلافِ علماء کی توجیہات

اخذِ لحیہ کے مشروع و مأمور ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے لیکن مجوّز شرعی حیثیت میں کچھ حد تک اختلاف ہے بعض علماء تراشنے کے وجوب پر فتویٰ دیتے ہیں اور بعض اس وجوب میں ذرا نرمی برتتے ہیں چنانچہ!

(1)۔ قولِ وجوب کی توجیہ:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**لا تقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ**'' (اللہ اور اسکے رسول سے آگے نہ بڑھو)، چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک سینہ مبارک تک ہی تھی۔

چنانچہ الحمد للہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کی حدِ مقدار کو ہی محبوب سمجھتے ہیں اسی لئے ہماری داڑھیوں کا وہ حصہ جو محبوب دو جہاں ﷺ کی سنت سے بڑھنے لگتا ہے تو ہم اتنے حصے کو ہی اتار کر خود سے جدا کر دیتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ: ہمارے بعض علماء نے مشت سے زائد داڑھی کو کاٹنا واجب تک لکھدیا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اپنی بے مثال محبت کا ثبوت دیا، جیسا کہ: فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں اسی پر صراحت موجود ہے چنانچہ!

(ا)۔ ''**البنایہ شرح الہدایہ**'' میں ہے کہ: ''**وقال الکاکی: طول اللحیۃ بقدر القبضۃ عندنا و ما زاد علیٰ ذالک یجب قطعہ ھکذا روی عن رسول اللّٰہ** ﷺ **انہ کان یأخذ من طولھا و عرضھا اوردہ ابو عیسیٰ اسحاق فی جامعہ ---- وفی المحیط اختلف فی اعفاء اللحیۃ قال بعضھم یترکھا**

حتی تکثف و تکبر و القص سنۃ فما زاد علی قبضۃ قطعھا
''

(البنایۃ شرح الھدایۃ جلد3 صفحہ346 کتاب الصوم مایوجب)

یعنی (علامہ کاکی فرماتے ہیں کہ: داڑھی کو ایک مشت تک لمبا رکھنے پر ہی ہمارا فتویٰ ہے، اور جو اس سے بڑھ جائے تو اس کا کاٹ دینا واجب ہے اسی طرح جنابِ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض کے زوائد کو تراش لیا کرتے تھے اس حدیث کو ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے۔۔۔۔اور ''المحیط'' میں ہے کہ: داڑھی کو بڑھانے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ: داڑھی کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ اور زیادہ گھنی اور لمبی ہوجائے حالانکہ داڑھی کے ان بالوں کو جو ایک مشت سے زائد ہوجائیں تراش دینا ہی سنت ہے)۔

(۲)۔ ''**در مختار**''میں ہے کہ: ''**صرح فی النھایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ**'' یعنی (نہایہ میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ: داڑھی کے جو بال مشت کی مقدار سے زائد ہوں انہیں کتر ڈالنا واجب ہے)۔

(در مختار مع رد المحتار جلد3 صفحہ456)

(۳)۔ ''رد المحتار''میں ہے کہ: ''**و ما وراء ذالک یجب قطعہ ہکذا عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأخذ من اللحیۃ من طولھا وعرضھا اوردہ ابو عیسیٰ یعنی الترمذی فی جامعہ و مثلہ فی المعراج و قد نقلہ عنھا فی الفتح**''

(رد المحتار علی الدر المختار جلد3 صفحہ456)

یعنی (جو بال ایک مشت سے بڑھ جائیں انہیں کاٹ دینا واجب ہے کیونکہ اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کو طول وعرض سے تراشا کرتے تھے اس روایت کو ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے اور اسی طرح ''المعراج'' میں لکھا ہے اور اسی بات کو ابن ہمام نے ''فتح القدیر'' میں بھی نقل کیا ہے)۔

(۴)۔ نیز ''بحر الرائق'' میں ہے کہ: ''**واما الاخذ منها وهى دون ذالك كما يفعله بعض المغاربة والمخنثة من الرجال فلم يبحه احد كذا فى فتح القدير وقد صرح فى النهاية بوجوب قطع ما زاد على القبضة بالضمة و مقتضاه الاثم بتركه**''

(بحر الرائق جلد 2 صفحہ 280 مطبوعہ مصر)

یعنی (اور داڑھی کے بالوں کو ایک مشت ہونے سے پہلے ہی کاٹ دینے کو جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور ہیجڑے کرتے ہیں کسی نے بھی جائز نہیں کہا، جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں بھی موجود ہے اور ''نہایہ'' میں مشت سے بڑھے ہوئے داڑھی کے بالوں کو کاٹ دینے کے واجب ہونے کی صراحت کردی گئی ہے، ''قبضۃ'' قاف کی پیش کے ساتھ ہے، اور اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ: داڑھی کو یونہی چھوڑ دینے پر گناہگار ہوگا)۔

(۵)۔ اسی طرح امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ: ''**وهو اى القدر المسنون فى اللحية :القبضة و ما وراء ذالك يجب قطعه هكذا عن رسول الله ﷺ انه كان يأخذ عن لحيته من طولها وعرضها**''

(فتح القدیر لابن ہمام جلد 2 صفحہ 76 کتاب الصوم)

یعنی (داڑھی کی مسنون مقدار ''ایک مشت'' ہے اور جو اس سے بڑھ جائے اسے کاٹ دینا واجب ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ طول وعرض سے زوائدِ لحیہ کو تراش دیا کرتے تھے)۔

(٦)۔ اور یہی تصریح امام ملا علی القاری نے بھی فرمادی کہ: ''**وفی النھایۃ شرح الھدایۃ عندنا طولھا بقدر القبضۃ بضم القاف و ما وراء ذالک یجب قطعہ**'' یعنی (اور نہایہ شرح ہدایہ میں یوں ہے کہ: ہمارے نزدیک داڑھی کی لمبائی ایک مشت تک مشروع ہے اور جو کچھ اس سے زائد ہو اسے کاٹ دینا واجب ہے)۔

(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 285)

(٧)۔ اور اسی پر الحمد للہ العزیز ہمارے الشیخ الامام محمد احمد رضاء خان القادری البریلوی کا فتویٰ ہے ''**کما فی الفتاوی الرضویۃ**''۔

(٨)۔ نیز اسی پر فتوی دیتے ہوئے علامہ امام سراج الدین ابن ملقن تحریر فرماتے ہیں کہ: ''**وواجب قصہ**'' یعنی (داڑھی کے زوائد کاٹنا واجب ہے)۔

(التوزیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد 28 صفحہ 116)

(٩،١٠)۔ چنانچہ اسی قول کے مطابق فیصلہ فرماتے ہوئے امام ابو طالب مکی اور امام ملا علی القاری رقمطراز ہیں کہ: ''**و من البدع المحدثۃ اثنتا عشرۃ خصلۃ بعضھا اعظم من بعض وکلھا مکروھۃ ------- و من ذالک: النقصان منھا والزیادۃ فیھا**'' یعنی (داڑھی کے معاملے میں بُری بدعتیں کل 12 چیزیں ہیں اور وہ ساری کی ساری مکروہ ہیں

۔۔۔۔جن میں سے ایک یہ کہ: داڑھی کو مشت سے کم کر دیا جائے یا مشت سے زائد کر دیا جائے)۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2صفحہ240،241)

(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی جلد8صفحہ274رقم4421)

(۱۱)۔ نیز امام ابو طالب مکی مزید لکھتے ہیں کہ: ’’**وکان ابن عمر یقول للحلاق ابلغ العظمین فانھما منتھی اللحیۃ یعنی حدھا ولذالک سمیت لحیۃ لان حدھا للحی فالزیادۃ علی ذالک الحد والنقصان منہ محدث**‘‘ یعنی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بال کاٹنے والے سے فرمایا کرتے ہیں کہ دونوں ہڈیوں تک پہنچ جا کیونکہ وہ دونوں داڑھی کا اختتام یعنی حد ہیں اور اسی لئے داڑھی کو لحیہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی حد ’’لحی‘‘ یعنی جبڑے ہیں چنانچہ حد سے زیادہ لمبا کر دینا بھی بدعت ہے اور اس سے کم کر دینا بھی)۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2صفحہ243)

یہاں تک مشت سے بڑھے ہوئے بالوں کو تراشنے کے وجوب کی تصریح وتوجیہ تھی۔

(2)۔ قولِ سنت کی توجیہ:۔

اور ہمارے جن اکثر علماء نے مشت سے زائد بالوں کا کتر ڈالنا سنت لکھا ہے تو وہ اولاً تو رسول اللہ ﷺ سے مشت سے زائد بالوں کے تراشنے کا لحاظ رکھتے ہیں چنانچہ:

(۱)۔ ’’فتاویٰ ہندیہ‘‘ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ: ’’**القص سنۃ**

فیھا وھو ان یقبض علی لحیتہ فاذا زاد علی قبضتہ شیء جزہ ’’یعنی (داڑھی کے زائد حصے کو کتر دینا سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ: بقدرِ مشت داڑھی چھوڑ کر باقی زائد کو کتر ڈالے)۔

(فتاویٰ ہندیہ جلد5صفحہ358)

(۲)۔ نیزاسی پر’’**الاختیار**‘‘میں بھی فتویٰ دیا گیا ہے کہ:’’**التقصیر فیھا سنۃ وھو ان یقبض علی لحیتہ فاذا زاد علی قبضتہ شیء جزہ** ‘‘یعنی (ایک مشت سے زائد داڑھی کے بالوں کا کتر دینا سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ: داڑھی کو مشت میں پکڑ کر زائد بالوں کو کتر دیا جائے)۔

(الاختیار لتعلیل المختار جلد4صفحہ167)

(۳)۔ اسی طرح’’**ردالمحتار**‘‘میں’’**المبتغی**‘‘کے حوالے سے ہے کہ ’’**وھو سنۃ**‘‘یعنی اخذِلحیہ سنت ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد3صفحہ456)

اور ثانیاً یا پھر وہ علماء سابقہ مبحث کے لفظِ’’وجوب‘‘کو سنت کے معنیٰ پر محمول کرتے ہیں چنانچہ:

(۴)۔ امام ملا علی القاری اسی پر تصریح فرماتے ہیں کہ:’’**وقولہ یجب بمعنیٰ ینبغی او المراد بہ انہ سنۃ مؤکدۃ قریبۃ الی الوجوب والا فلا یصح علی اطلاقہ، وقال ابن الملک: تسویۃ شعر اللحیۃ سنۃ وھی ان یقص کل شعرۃ اطول من غیرھا لیستوی جمیعھا**‘‘۔

(المرقاۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 285)

یعنی (النہایہ کے قول ''یجب'' سے مراد'' تقاضہ'' ہے یا پھر اس سے مراد'' سنتِ مؤکدہ'' ہے جو وجوب کے قریب ہوتی ہے ورنہ اس کا اطلاق درست نہ ہوگا اور الشیخ ابن الملک فرماتے ہیں کہ: داڑھی کے بالوں کو تراش کر برابر رکھنا سنت ہے اور وہ اس طرح کہ: مشت سے زائد بڑھے ہوئے ہر بال کو کاٹ دیا جائے تا کہ تمام بال برابر ہوجائیں)۔

یہاں تک اخذِ لحیہ کو سنت قرار دینے والوں کی تصریح وتوجیہ تھی۔

(3)۔ قولِ استحباب کی توجیہ:۔

اسی طرح ہمارے بعض علماء یہاں سنت کو سنتِ زوائد پر محمول کرتے ہوئے بال مشت سے زائد بڑھانے کو خلاف سنت ومکروہ اوراسکے مدِ مقابل میانہ روی کو مستحب و مستحسن لکھتے ہیں مثلاً!

(۱)۔ امام ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ: ''**ان کان الطول الزائد بان تکون زیادۃ علی القبضۃ فغیر ممدوح شرعا** '' یعنی (اگر داڑھی زیادہ لمبی ہو یعنی ایک مشت سے زائد ہوجائے تو ایسا ہونا شریعت میں پسندیدہ عمل نہیں رہتا)۔

(جمع الوسائل شرح الشمائل لملا علی حصہ 1 صفحہ 45)

(۲)۔ اسی طرح المنتقیٰ شرح الموطا میں ہے کہ: ''**وقد استحب ذالک مالک رحمہ اللہ تعالیٰ لان الاخذ منھما علیٰ وجہ لا یغیر**

الخلقة من الجمال ۔۔۔۔۔۔واما ما تزايد منهما وخرج عن الجمال الى حد التشحث وبقائه مثلة ''۔

(المنقیٰ فی الموطا جلد3 صفحہ32 کتاب الحج الباب السادس)

یعنی (امام مالک نے داڑھی کے زوائد تراشنا مستحب قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں (سر اور داڑھی کے زوائد) کاٹنا ایسا عمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جمال اور خوبصورتی رکھی ہے، تا کہ ان کے بڑھ جانے سے انسانی جمال میں تغیر نہ آ جائے، ۔۔۔۔نیز ان دونوں کے ایسے بال جو حدِ جمال سے بڑھ جائیں جس سے ان میں بدصورتی پیدا ہو جائے اس حد تک بڑھانا اور باقی رکھنا ''مثلہ'' یعنی شکل کے بگاڑنے میں داخل ہو جاتا ہے)۔

(۳، ۴، ۵)۔ اور امام ابو طالب المکی، امام غزالی اور امام ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ: ''**وكان ابراهيم النخعى و مثله من السلف يقول: عجبت لرجل عاقل طويل اللحية كيف لا يأخذ من لحيته فيجعلها بين لحيتين فان التوسط فى كل شىء حسن** ''یعنی (حضرت ابراہیم نخعی اور دیگر اسلاف فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے لمبی داڑھی والے شخص کی عقل پر تعجب ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو تراشتا کیوں نہیں؟ چنانچہ اسے اپنی داڑھی کو طول وقصر کے درمیان کر لینی چاہیے کیونکہ ہر شیء میں میانہ روی ہی مستحسن ہے)۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2 صفحہ244)

(المرقاۃ لملا علی القاری جلد8 صفحہ285 رقم4439)

(احیاء العلوم للغزالی جلد1 صفحہ166)

(۶)۔ نیز امام عبد الرؤوف المناوی فرماتے ہیں کہ: "**فلعل ذالک مندوب مالم ینته الی تقصیص اللحیة وجعلها طاقة فانه مکروه**" یعنی (شاید کہ داڑھی کو تراشنا مستحب ہے جب تک کہ داڑھی کو حد سے بھی کم نہ کر دیا جائے اور داڑھی کو بڑھا کر گلے کا طوق بنا لینا مکروہ ہے)۔

(فیض القدیر للمناوی جلد6 صفحہ578)

(۷،۸)۔ اسی طرح امام غزالی اور امام ملا علی القاری نے یوں بھی فرمایا کہ: "**واستحسنه الشعبی وابن سیرین**" یعنی (داڑھی کو تراشنا امام شعبی اور امام ابن سیرین نے مستحب قرار دیا ہے)۔

(المرقاۃ لملا علی القاری جلد8 صفحہ285 رقم4439)

(احیاء العلوم للغزالی جلد1 صفحہ166)

یہاں تک اخذِ لحیہ کو مستحب قرار دینے والوں کی تصریح وتوجیہ تھی۔

(4)۔ قولِ جواز کی توجیہ:۔

نیز بعض علماء تو اخذِ لحیہ کو محض جائز بھی قرار دیتے ہیں

جیسا کہ:

(۱)۔ الشیخ العلامہ الامام قسطلانی فرماتے ہیں کہ: "**ویجوز کسرها ای زاد علی القبضة**" یعنی داڑھی کے مشت سے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ دینا جائز ہے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری للقسطلانی جلد8 صفحہ464)

(۲)۔ اسی طرح امام غزالی فرماتے ہیں کہ: "**ان قبض الرجل علی لحیته**

واخذ ما فضل عن القبضة فلا بأس فقد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين ''یعنی اگر آدمی اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر اس سے زائد بالوں کو کاٹ ڈالے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایسا ہی جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما اور تابعین کی پوری جماعت سے ثابت ہے۔

(احیاء العلوم للغزالی جلد 1 صفحہ 166)

(۳)۔ ''رد المحتار'' میں ہے کہ ''**فی شرح الشیخ اسماعیل: لا بأس بان یقبض علی لحیته فاذا زاد علی قبضته شیء جزه کما فی المنیة۔۔۔۔ وفی المجتبیٰ والینابیع وغیرهما: لا بأس باخذ اطراف اللحیة اذا طالت**''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 3 صفحہ 456)

یعنی (شیخ اسماعیل کی شرح میں ہے کہ: داڑھی جب ایک مشت سے بڑھ جائے تو اسے کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ''المنیۃ'' میں ہے۔۔۔۔۔ اور ''المجتبیٰ'' اور ''الینابیع'' وغیرھما میں ہے کہ: داڑھی جب لمبی ہوجائے تو اس کے اطراف سے کانٹ چھانٹ کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

تصریحاتِ مذکورہ بالا میں ''لا بأس'' سے بھی جواز کی طرف اشارہ ہے۔

(5)۔ جواز الاعفاء بوجوب الاخذ کی توجیہ:۔

اسی طرح ہمارے بعض علماء تو ایسے بھی ہیں

جو تھوڑی بہت داڑھی بڑھانے میں بھی رخصت دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی مشت سے

زائد کو تراش ڈالنا واجب بھی قرار دیتے ہیں جیسا کہ:

شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ''مشہور قدر یک مشت است چنانکہ کمتر ازیں نباید واگر زیادہ براں بگزارد نیز جائز است بشرطیکہ از حدِ اعتدال نگزرد''یعنی (مشہور مقدار ایک مشت ہے پس اس مقدار سے کم نہیں ہونی چاہیے، اور اگر اس سے زیادہ چھوڑ دے تو بھی جائز ہے بشرطیکہ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے)۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ لعبد الحق الدھلوی جلد 1 صفحہ 212)

نیز شیخ محقق اپنی دوسری کتاب ''**مدارج النبوت**'' فرماتے ہیں کہ: ''حیث قال مشہور در مذہبِ حنفی چہار انگشت وظاہر آنست کہ مراد آں باشد کہ کم ازیں نمی باید ولیکن در روایت آمدہ است کہ واجب است قطع زیادہ برآں وگفتہ اند کہ اگر علماء ومشائخ زیادہ براں بگزارند نیز درست است''یعنی (جیسا کہ فرمایا مذہب حنفی میں مشہور یہ ہے کہ: مقدار داڑھی کی چار انگشت ہو اور ظاہر یہ ہے کہ: اس سے کم نہیں ہونی چاہیے لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ: اس سے زائد کو کاٹ دینا واجب ہے اور فرماتے ہیں کہ: اگر علماء ومشائخ اس سے زائد رکھیں تو بھی جائز ہے)۔

(مدارج النبوۃ لعبد الحق الدھلوی جلد 1 صفحہ 14)

حاصلِ کلام:۔

بہر حال مذکورہ بالا فقہاء کے کلام بھی ایک دوسرے کے منافی نہیں بلکہ سب نے کسی نہ کسی خاص صورت کا اعتبار کر کے ہی فتوٰی دیا ہے اسی طرح

شیخ محقق کا مشت سے زائد داڑھی کو جائز قرار دینا بھی سابق کے منافی نہیں کیونکہ داڑھی مشت سے زائد بڑھانا کسی کے نزدیک بھی مستحسن عمل نہیں بلکہ کم از کم خلافِ اولیٰ ہے اور یہ بھی ناجائز نہیں ہوتا اسی لئے شیخ محقق نے اس میں رخصت کا بیان فرمایا لہذا اب نتیجہ یہ نکلا کہ: ہمارے علماء کے مطابق داڑھی ایک مشت تک بڑھانا واجب، اس سے زائد رکھنا خلاف افضل اور اس کا ترشوانا سنت ہے، اور یہی میانہ روی ہے۔

اور پھر لطف یہ کہ: اس معاملہ میں تمہارے شیوخ بھی پیچھے نہ رہے، اور تمہارے لگائے ہوئے فتوے کے برخلاف بے حد لمبی داڑھی کی بجائے فقط ایک مشت کو ہی واجب قرار دے دیا چنانچہ!

(۱)۔ ''فتاویٰ نذیریہ'' جلد 3 صفحہ نمبر 359 میں ہے کہ: ''ان الحکم الا للہ، داڑھی کا دراز رکھنا بقدر ایک مشت کے واجب ہے''۔

(۲)۔ ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 139 میں ہے کہ: ''پس افراطِ شعر کی صورت میں قبضہ سے زائد کی اصلاح واجب ہے''۔

باب

اخذِ لحیہ اور مرفوع حدیث

(فصل)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ریش مبارک تراشنا

"**عن عمرو بن شعیب، عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ کان یأخذ من لحیتہ من عرضھا و طولھا**" یعنی (عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کو چوڑائی اور لمبائی سے تراش لیا کرتے تھے)۔

(الجامع السنن للترمذی صفحہ 820 رقم 2762)

(مشکوۃ المصابیح کتاب اللباس باب الترجل)

(المرقاۃ شرح المشکوۃ جلد 8 صفحہ 285 رقم 4439)

(عمدۃ القاری شرح الصحیح البخاری للعینی جلد 22 صفحہ 72)

(فتح الباری شرح الصحیح البخاری لابن حجر جلد 10 صفحہ 395)

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی جلد 6 صفحہ 60)

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد 2 صفحہ 104)

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ لابن الجوزی صفحہ 397، 609)

(سبل الھدیٰ و الرشاد للصالحی جلد 7 صفحہ 348)

(جامع المسانید و السنن لابن کثیر جلد 26 صفحہ 7142 رقم 166)

(الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ 428 رقم 6933)

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی جلد 6 صفحہ 578)

(کنز العمال لعلی المتقی الھندی جلد 7 صفحہ 47 رقم 18314)

(مواھب اللدنیۃ للقسطلانی جلد 2 المقصد الثالث فصل 2)

(زرقانی علی المواھب جلد 5 صفحہ 508)

(مدارج النبوت لعبد الحق الدھلوی جلد 1 صفحہ 14)

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ لعبد الحق الدھلوی جلد 1 صفحہ 212)

(شرعۃ الاسلام (مع شرحہ) للامام زادہ الحنفی صفحہ 362)

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام للبروسوی صفحہ 362)

(فتح القدیر لابن ہمام جلد 2 صفحہ 76)

(البنایۃ شرح الہدایۃ جلد 3 صفحہ 346)

(شرح الشفاء لملا علی القاری جلد 1 صفحہ 160)

(الانوار المحمدیۃ للنبہانی صفحہ 139)

(سیرت الحلبیۃ للحلبی جلد 3 صفحہ 468)

(تاریخ الخمیس للدیاربکری جلد 3 صفحہ 383)

(رد المحتار علی الدر المختار جلد 3 صفحہ 456)

(کشف الغمۃ للشعرانی حصہ 1 صفحہ 50)

(شرح مسند الامام الاعظم لملا علی القاری صفحہ 424)

(شعب الایمان للبیہقی جلد 5 صفحہ 220، 221)

(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 4 صفحہ 1888)

(اتحاف الخیرۃ للبوصیری جلد 5 صفحہ 14، جلد 6 صفحہ 184)

(کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد 3 صفحہ 195 رقم الترجمہ 1192)

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی جلد 7 صفحہ 552)

(سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 8 صفحہ 44 رقم الترجمۃ 1388)

(میزان الاعتدال للذہبی جلد 5 صفحہ 276 رقم 6243)

(تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی جلد 4 صفحہ 765 رقم 5847)

(عارضۃ الاحوذی لابن العربی المالکی جلد 10 صفحہ 162)

(کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ 75 رقم 5926)

(العلل المتناہیۃ لابن الجوزی جلد 2 صفحہ 686 رقم 1142)

(مظاہرِ حق (مترجم) جلد 4 صفحہ 234)

(العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویۃ)

ہر ضعف استدلال کو مضر نہیں ہوتا:۔

عمرو بن شعیب والی مذکورہ بالا

حدیث پر تم نے یہ اعتراض کیا کہ:

''رسول اللہ ﷺ کا ریش مبارک کے زائد بال کاٹنے کے بارے میں ترمذی کی عمرو بن شعیب والی روایت اس کے ایک راوی ''عمر بن ہارون بلخی'' کی وجہ سے سند کے اعتبار سے اتنی کمزور ہے کہ اس سے کسی بھی قسم کا استدلال نہیں کیا جا سکتا؟''

مجھے بے حد حیرت ہے کہ حدیث سے گہرے علاقوں کا دعویٰ کرنے کے باوجود تم ابھی تک ضعیف الاسناد کی قبولیت و عدمِ قبولیت کے قاعدوں سے ہی ناواقف ہو، حالانکہ اگر تم نے ضعیف الاسناد روایات کے بارے اپنے اکابرین کے موقف کو نظروں سے گزارا ہوتا تو ضعف کو بہانہ بنا کر اسے نظر انداز کرنے کی تمہیں جرأت نہ ہوتی، چنانچہ!

(1)۔ تمہارے معتبر ''فتاویٰ ثنائیہ جلد 1 صفحہ 510'' میں ہے کہ: ضعیف حدیث کے ساتھ جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہوتا ایسا تشدد کرنا اچھا نہیں۔

(2)۔ اسی ''فتاویٰ ثنائیہ'' کی جلد 2 صفحہ 76 میں ہے کہ: ضعیف کے معنیٰ ہیں جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں، اگر اس کے مقابل میں صحیح حدیث نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسے نماز کے شروع میں ''**سبحانک اللھم**'' پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے۔

(3)۔ اسی ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 1 صفحہ 536 میں ہے کہ: حدیث کا ضعف اسے

درجہ استدلال سے اس وقت گراتا ہے جب اس کے مقابل میں حدیث صحیح موجود ہو۔

(4)۔ ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 1 صفحہ 525 اور ''فتاویٰ علمائے حدیث'' جلد 4 صفحہ 178 میں ہے کہ: عیدین کی نماز میں ہر زائد تکبیر پر رفع یدین کرنا چاہیے، حدیث ''لاترفع الایدی الافی سبع مواطن'' گوضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔

(5)۔ تمہاری ایک اور معتبر کتاب ''فتاویٰ نذیریہ'' جلد 1 صفحہ 428 میں ہے کہ: آمین کی آواز سے مسجد میں گونج ہوجاتی تھی، اس حدیث کے بعض راوی ضعیف ہیں لیکن ایسا راوی ایک بھی نہیں ہے کہ اس کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق ہو۔

(6)۔ اسی ''فتاویٰ نذیریہ'' جلد 1 صفحہ 564 اور ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 1 صفحہ 507 میں ہے کہ: حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔

(7)۔ ''فتاویٰ نذیریہ'' جلد 1 صفحہ 303 میں ہے کہ: حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیے۔

(8)۔ تمہاری ایک اور کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی نماز'' صفحہ 77 میں ہے کہ:

''سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولاالہ غیرک'' (مشکوۃ)۔۔۔۔سند میں ضعیف ہے لیکن مختصر اور جامع ہے۔

چنانچہ تمہارے اکابرین کی ان تمام توضیحات سے ثابت ہو چکا کہ: کہ سند کا ضعف استدلال کو مضر نہیں ہوتا، اور دراصل یہی مؤقف جمہور اہلِ علم کا ہے کہ جب ضعیف الاسناد حدیث کے بالمخالف شرع شریف کی کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو تو اس روایت کی سند کا ضعف احتجاج کیلئے روک نہیں بن سکتا اور یہی حق ہے چنانچہ العلامہ الشیخ محمد عبدالرؤف المناوی ''فیض القدیر شرح الجامع الصغیر'' اور الشیخ العلامہ اسماعیل عجلونی

الشافعی ''کشف الخفاء'' میں فرماتے ہیں کہ:

''وفی بعض الآثار النھی عن قص الاظافر یوم الاربعاء وانہ یورث البرص قال فی المطامع :واخبر ثقۃ من اصحابنا عن ابن الحاج وکان من العلماء المتقین انہ ھم بقص اظافرہ یوم الاربعاء فتذاکر الحدیث الوارد فی کراہتہ فترکہ ۔۔فقصھا فلحقہ برص فرأی النبی ﷺ فی نومہ فقال لہ: الم تسمع نھیی عن ذالک ؟فقال: یا رسول اللّٰہ (ﷺ)! لم یصح عندی الحدیث عنک ،فقال: یکفیک ان تسمع، ثم مسح بیدہ علی بدنہ ، فزال البرص جمیعا ، قال ابن الحاج: فجددت مع اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ توبۃ ان لا اخالف ما سمعت عن رسول اللّٰہ ﷺ ابدا ''۔

(فیض القدیر للمناوی جلد 1 صفحہ 80 زیرِ رقم 8)

(کشف الخفاء للعجلونی جلد 1 صفحہ 10 زیر رقم 3)

یعنی اور بدھ کے دن ناخن تراشنے کی جو ممانعت بعض حدیثوں میں آئی ہے کہ وہ عمل برص کی بیماری کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ ''کتاب المطامع'' کے مصنف فرماتے ہیں کہ: ہمیں ہمارے ایک ثقہ ساتھی نے علامہ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ جو اہلِ تقویٰ میں سے تھے کے بارے میں خبر دی کہ: انہوں نے بدھ کے دن اپنے ناخن تراشنے کا ارادہ کیا تو انہیں اس عمل کے مکروہ ہونے پر ایک حدیث یاد آئی تو انہوں نے اس حدیث کو چھوڑ دیا۔۔اور اپنے ناخنوں کو تراش لیا چنانچہ ان کو برص کی بیماری لاحق ہوگئی

پھر انہوں نے کسی رات خواب میں حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کی تو فرمان ہوا: کیا تم نے اس بارے میں میری نہی نہ سنی تھی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے نزدیک اس حدیث کی سند آپ تک صحیح نہیں تھی، فرمایا: تمہیں محض سن لینا ہی کافی تھا، پھر اپنے دست مبارک کو ان کے بدن پر پھیرا تو سارے کا سارا برص دور ہوگیا، علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی اور مصمم ارادہ کرلیا کہ آئندہ کبھی بھی میں جناب رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان کی بھی مخالفت نہ کروں گا۔

بصارت کے سہارے ہی سہی لیکن بصیرت سے کام تو لو، کیا اس واقعے سے بھی حق واضح نہ ہوا؟ کہ یہاں غیر مخالفِ شرع ہونے کی وجہ سے ضعف استدلال کو کچھ بھی مضر نہ رہا، اور یہ تو معاملہ اس روایت کا تھا جس کی سند میں ضعف تھا بلکہ ماہرینِ نقد و رجال کا جرح کی کتابوں مثلاً موضوعات میں تو یہ طریقہ ہے کہ: ضعف تو کجا؟ اگر کسی حدیث کی کوئی سند یا اصل ہی سرے سے نہ ہو اور پھر وہ حدیث ''شرع شریف'' سے غیر مخالف بھی ہو تو وہ اسے یہ کہہ کر قبول کر لیتے ہیں کہ: ''**لیس له اصل فمعناه صحیح**'' یعنی اسکی کوئی اصل نہیں البتہ اس کا معنیٰ صحیح ہے۔ ''**و مثالها متعدد**''۔

چنانچہ اسی کی ایک مثال یوں ہے کہ: وضوء کے اعضاء کو دھوتے وقت مختلف دعاؤں کا ذکر علامہ الشیخ الدیلمی کی مسندِ فردوس جلد 5 صفحہ 326 اور علامہ الشیخ علی المتقی کی کنز العمال جلد 9 صفحہ نمبر 203، 204، 205 میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے جن تین روایتوں میں نقل کیا گیا ہے ان کے متعلق علماء حدیث کا فتویٰ ہے کہ: ''وہ تینوں کی

تینوں موضوع روایتیں ہیں کیونکہ ان کی سند میں ایسے مجروح راوی ہیں جن پر حدیث کو وضع کرنے کا الزام ہے''۔

اب چاہیے تو یہ تھا کہ تمہاری طرح ان روایتوں میں مذکورہ دعاؤں کو موضوع ہونے کی وجہ سے جمہور علماء بھی مطلقاً چھوڑ دیتے لیکن ہوا کچھ یوں! کہ: شارح بخاری علامہ الشیخ القسطلانی جیسے عظیم محدث نے ''**لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار**'' صفحہ 169 میں اور ان کے ساتھ ساتھ شارح مسلم علامہ الشیخ نووی جیسے عظیم محدّث نے بھی اپنی کتاب ''**الاذکار**'' کے صفحہ نمبر 72 پر موضوع روایتوں میں بیان شدہ انہیں دعاؤں کو اسلاف کا طریقہ اور مستحب قرار دیدیا۔

اور شارح مشکوۃ مجد دِ ملت الشیخ ملا علی القاری نے بھی اپنی مشہور کتاب ''**الموضوعات الکبیر**'' میں انہیں روایتوں کو موضوع قرار دینے کے باوجود ان دعاؤں پر عمل کو اسلاف کا طریقہ اور مستحب قرار دیدیا۔ نیز اسی وجہ سے فقہ کی مشہور بیشتر کتابوں میں ان دعاؤں کو ''ادعیہ مأثورہ'' کے نام سے لکھ کر انہیں باعثِ اجر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ دعائیں شرع شریف کے خلاف بالکل بھی نہیں ہیں، جن میں فقہ شافعی کی ''اعانۃ الطالبین جلد 1 صفحہ 160'' اور فقہ حنفی کی ''طحطاوی علی المراقی جلد 1 صفحہ 117'' بھی شامل ہیں۔

اور لطف یہ بھی: کہ خود تمہارے اپنے گھر کی منظورہ، مسلمہ اور مؤیدہ کتاب ''فقہ محمدیہ کلاں'' کے حصہ 1 صفحہ نمبر 54 میں بھی وضوء کے دوران انہی دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔

لہذا یہ امر مسلم و محکم ثابت ہو چکا کہ: جب کوئی حدیث سنداً کمزور ہو لیکن شرع شریف

میں کوئی قوی دلیل بھی اس کے خلاف پر نہ ہواور صحابی یا اہلِ علم کا عمل بھی اس کا مؤید ہو تو وہ کمزور سند والی روایت بھی قابلِ عمل بن جاتی ہے بالکل یہی موقف ہم احناف کا بھی ہے، جسے تمہارے اکابرین بھی تسلیم کر چکے ہیں۔

نیز الشیخ الامام عبدالوہاب الشعرانی الشافعی ''**المیزان الکبریٰ**'' جلد 1 فصل ثالث میں فرماتے ہیں کہ:

(ترجمہ) ''بخاری ومسلم نے بھی بہت سے ایسے لوگوں کی احادیث کی بھی تخریج کردی ہے جن میں دوسرے محدّثین نے کلام کیا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے ادلہ شرعیہ کے اثبات کوان کی نفی پر ترجیح دی ہے تاکہ لوگ ان پر عامل ہوکران سے مستفید ہوں تو ان کی تعدیل کرنے میں وہ فوائد وفضائل ہیں جو ان کی جرح میں نہیں نیز بقیہ علماء کا اس قسم کے راویوں کو ضعیف بتانا بھی فائدہ سے خالی نہیں اوراس میں امت کا یہ فائدہ ہے کہ: اس پر آرام سے عمل کریں (نہ کہ فرض سمجھ کر)، اگرچہ حفاظ حدیث نے تضعیف کرتے وقت فائدے کی نیت نہ بھی کی ہو، چنانچہ اگر تضعیف نہ ہوتی بلکہ تمام احادیث کوصحیح ہی بتا دیا جاتا تو ان تمام احادیث پر عمل کرنا فرض یا واجب ہوجاتا اور اکثر لوگ ان احادیث پر عمل کرنے سے عاجز رہ جاتے، چنانچہ اس کو خوب جان لو'' (انتہی کلام الشعرانی)

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: کچھ راویانِ حدیث میں ضعف کا پایا جانا بھی ایک خاص رحمت ہے، شاید اسی لئے فرمایا: ''**اختلاف امتی رحمۃ**'' میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے کیونکہ ایسے راویانِ حدیث کے ضعف ہی کی وجہ سے احکام میں تخفیف ہوتی ہے اور یہی جمہور علماء کا مدعیٰ ہے، لیکن تمہاری جانے بلا! تمہیں تو ہر ضعیف حدیث

''من گھڑت اور جھوٹ'' بلکہ مردود نظر آتی ہے، لیکن خبردار! اگر حدیث کے جمِ غفیر میں سے ''منتقد''، ''متجاذب'' اور ''ضعیف'' حدیثیں نکال دی جائیں تو تم سارا اسلام صرف صحیح حدیثوں سے ہی ثابت نہیں کر سکتے، بلکہ لابدی طور پر تمہیں اسلام کی تشریح وتوضیح اور تفصیل وتفضیل کے لئے ان احادیث کی ضرورت بھی پڑتی ہی رہے گی جن کو علماءِ امت نے ضعف ونقد کے باوجود قبول فرمالیا اور کچھ سوچ سمجھ کر اپنی کتب میں بھی درج فرمادیا جس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں ''شرح نخبۃ الفکر'' کی شرح میں امام ملا علی القاری تحریر فرماہیں کہ!

''وقال البقاعی فی النکت الوفیۃ: قال شیخنا الدارقطنی: ضعف من احادیثھما مئتین وعشرۃ، یختص البخاری بثمانین، واشترکا فی ثلاثین، وانفرد مسلم بمئۃ، قال: وقد ضعف غیرہ ایضا غیر ھذہ الاحادیث''۔

(شرح شرح نخبۃ الفکر لملا علی القاری صفحہ 222)

یعنی علامہ بقاعی اپنی کتاب ''**النکت الوفیۃ**'' میں فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیخ امام دارقطنی نے فرمایا کہ: بخاری ومسلم کی احادیث میں سے مجموعی طور پر 210 حدیثیں ضعیف ہیں جن میں سے 80 صرف بخاری کی اور 100 صرف مسلم کی اور 30 حدیثیں متفق علیہ یعنی جو بخاری ومسلم دونوں میں ہیں، نیز فرمایا: ان احادیث کے علاوہ کئی اور حدیثوں کو بھی علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (انتہیٰ)

میں کہتا ہوں کہ: یہ معاملہ تو ان کتابوں کی احادیث کا تھا جنہیں امت کی طرف سے ''**اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ**'' کا درجہ ملا ہے، تو دوسری کتب کا کیا حال

ہوگا؟ اورتو اور بخاری و مسلم کے محض ان راویوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جن پر علماءِ فن کی طرف سے کسی خاص قسم کی تنقید واقع ہوئی ہے، لہذا امام ملا علی القاری ''صحیحین'' کے راویوں کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ!

''فان الذین انفرد البخاری بھم : اربع مئۃ و خمسۃ وثلاثون رجلا، والمتکلم فیہ منھم بالضعف نحو من ثمانین رجلا والذین انفرد بھم مسلم : ست مئۃ وعشرون رجلا ،والمتکلم فیہ منھم مئۃ وستون رجلا علی الضعف''

(شرح شرح نخبۃ الفکر لملا علی القاری صفحہ 278)

یعنی بلا شبہ بخاری کے کل راویوں کی تعداد 435 ہے جن میں سے 80 راوی وہ ہیں جن پر ضعیف ہونے کا الزام ہے اور مسلم کے کل راویوں کی تعداد 620 ہے جن میں سے 160 افراد پر ضعف کی نسبت کی گئی ہے۔

غور کرو! اس نقد و جرح کے باوجود بخاری و مسلم کی حدیثوں کو علماء سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور انہیں اپنی کتب میں نقل کرنا باعثِ عز و شرف سمجھتے ہیں کیا یہ امام بخاری اور امام مسلم کی شخصی وجہ سے ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ بخاری و مسلم کی حدیثوں کو بے جھجک قبول کرنے کی وجہ محض ''اعتماد'' ہے۔

جی ہاں! یہی تو ہم کہنا چاہتے ہیں کہ: اگر یہی ضعف کسی ایسی کتاب کی کسی حدیث میں آجائے جس کا مصنف جمہور علماء کی نظر میں ایک قابلِ قدر، اپنے فن کا ماہر اور معتمد علیہ فضیلت کا حامل ہو پھر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد مصنف کی رائے اس حدیث کی مقبولیت کے بھی خلاف نہ ہو تو جمہور علماء اس حدیث کو مصنف پر محض ''اعتماد'' ہی کی

وجہ سے قابلِ استدلال مان کر اپنی تحقیقات وتصنیفات کی زینت بنالیتے ہیں اور بلاشبہ یہی منصف مزاج جمہور علماء، محدّثین، شارحین، مفسرین کا طریقہ رہا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ: یہاں روایت کے صحت وسقم سے قطع نظر! صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اپنی داڑھیوں کے زائد بالوں کو کاٹنے کے ثبوت کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام کی داڑھیوں کے سینہ تک ہونے کی وجہ سے اور پھر اس کے خلاف کسی ایک بھی قوی دلیل کی عدم دستیابی کی وجہ سے اور پھر امام ترمذی وغیرہ جیسے جلیل القدر محدّث کے اس حدیث پر اعتماد کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا اپنی ریش مبارک کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لینے والی حدیث کو سنداً کمزور ہونے کے باوجود بڑے بڑے محدّثین نے قابلِ استدلال مانا اور اس سے دلیل بھی پکڑی اور اپنی کتب میں درج کر کے درجہءاستدلال پر برقرار بھی رکھا سابق میں حوالہ جات پیش کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی حرفِ آخر ہے کہ اہلِ علم کے عمل اور فتویٰ سے بھی ضررِ ضعف جاتا رہتا ہے اور وہ روایت قابلِ احتجاج وعمل بن جاتی ہے جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد 27 صفحہ 64 میں تصریح فرمائی ہے کہ: ''صحتِ حدیث علی مصطلح الاثر وصحتِ حدیث لعمل المجتہدین میں عموم خصوص مطلق بلکہ من وجہ ہے کبھی حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے اور ائمہ امت وامنائے ملت بنظرِ قرائنِ خارجہ یا مطابقتِ قوعدِ شرعیہ اس پر عمل فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عمل ہی موجبِ تقویت وصحتِ حدیث ہوجاتا ہے، یہاں صحت عمل پر متفرع ہوئی نہ کہ عمل صحت پر''۔

اس پر مزید فرمایا کہ: امام ترمذی نے اس حدیث ''(جس شخص نے کسی عذر کے بغیر دو

نمازوں کو جمع کیا تو بیشک وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوا)'' کو روایت کر کے فرمایا: اس حدیث کا راوی ابوعلی رجبی حنش بن قیس اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کی تضعیف فرمائی لیکن علماء کا عمل اسی پر ہے۔

نیز اسی بارے میں امام جلال الدین السیوطی اپنی کتاب ''التعقبات علی الموضوعات'' کے صفحہ 12 میں فرماتے ہیں کہ: ''امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمادیا کہ حدیث کو قولِ علماء سے بھی قوت ملتی ہے اور بیشک متعدد ائمہ نے بھی تصریح فرمادی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت بھی صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کیلئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ بھی ہو''۔(انتہیٰ کلام السیوطی)

اس حدیث کو باوجود ضعف جمہور علماء نے قبول کیا:۔

سابقہ بحث سے یہ اچھی طرح

ثابت ہو چکا کہ اہلِ علم کا فتویٰ و عمل بھی حدیث کے ضعف کو دور کر کے قابلِ احتجاج بنا دیتا ہے جیسا کہ تمہارے اکابر کی عبارات سے بھی سابق میں بیان ہو چکا چنانچہ اسی لئے اب ہم ائمہ فن و ماہرینِ حدیث و آثار کی تصریحات و توضیحات کو عمرو بن شعیب والی اسی روایت کی تائید کے طور پر پیش کرتے ہیں جس سے مزید واضح ہوگا کہ جمہور اہلِ علم نے اسے قبول کیا ہے اور اپنے فتوے سے باوجود ضعف قابلِ حجت بنا دیا ہے ،خوب غور سے دیکھ لو!

(1)۔

الشیخ امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی نے فرمایا کہ: ’’**وقال عطاء : لابأس ان یأخذ من لحیته الشیء القلیل من طولها وعرضها اذا کبرت وعلت کراہۃ الشہرۃ وفیہ تعریض نفسه لم یسخر به واستدل بحدیث عمر بن ھارون عن اسامۃ بن زید عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ ان النبی ﷺ کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها اخرجه الترمذی وقال هذا حدیث غریب وسمعت محمد بن اسماعیل یقول: عمر بن ہارون مقارب الحدیث لا اعرف له حدیثا لیس له اصل او قال ینفرد به الا هذا الحدیث قال: رأیته حسن الرأی فی عمر بن ہارون وسمعت قتیبة یقول: عمر بن ہارون کان صاحب حدیث وکان یقول: الایمان قول وعمل**‘‘۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی جلد22 صفحہ72)

یعنی (عطاء فرماتے ہیں کہ: داڑھی جب زیادہ بڑی ہوجائے تو اس کے طول وعرض سے تھوڑا تراش لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ زیادہ لمبا ہونا کراہت کا سبب ہے اور اسی میں اس شخص کے نفس کو ابھارنا بھی ہے جو داڑھی رکھنے پر مائل نہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں اسی حدیث کو بطور دلیل لیا ہے جسے عمر بن ہارون، اسامہ بن زید سے اور وہ عمرو بن شعیب اور وہ اپنے والد اور وہ انکے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے بالوں کو تراشا کرتے تھے اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ: یہ حدیث غریب ہے اور میں نے

امام بخاری سے سنا ہے کہ: عمر بن ہارون ''مقارب الحدیث'' ہے میں اس کی ایسی کوئی حدیث نہیں جانتا جس کی کوئی اصل نہ ہو، یا فرمایا: وہ اس حدیث میں اکیلا راوی ہے، ترمذی فرماتے ہیں کہ: میں نے امام بخاری کو ''عمر بن ہارون'' کے بارے میں اچھی رائے رکھنے والا ہی پایا ہے اور میں نے قتیبہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ ''عمر بن ہارون'' حدیث جاننے والا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ: ایمان قول وعمل کا نام ہے)۔
(2)۔

امام حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے بجائے اس حدیث پر کسی قسم کی تنقید کے امام بخاری کی طرف سے ''عمر بن ہارون بلخی'' کی تحسین نقل کرنے کے بعد اس حدیث سے استدلال کو انہوں نے برقرار رکھا اور طوالت کی قباحت سے بچنے کیلئے داڑھی کو تراشنا مستحب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ: **''ان ترک فلا حرج علیہ الا ان یقبح طولھا فیستحب ان یأخذ منھا۔۔۔۔۔ وقد روی ابو عیسیٰ عن عمر بن ہارون وکان البخاری حسن الرأی فیہ ''ان النبی ﷺ کان یأخذ من عرض لحیتہ و من طولھا'' وروی ابو داؤد قال: قال مروان بن المقفع: رأیت عبد اللہ بن عمر یقبض علی لحیتہ فیقص ما زاد علی الکف''۔**

(عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی لابی بکر المالکی جلد 10 صفحہ 162)

یعنی (اگر داڑھی کو مزید لمبا ہونے کیلئے بھی چھوڑ دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس کی طوالت قباحت پیدا کرے تو اس کے زائد بالوں کا تراش لینا مستحب عمل ہے

۔۔۔۔۔۔۔۔اور امام ترمذی نے اس سلسلے میں عمر بن ہارون سے روایت کیا ہے اور یہ وہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری اچھی رائے رکھتے ہیں چنانچہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے تراشا کرتے تھے اور اسی طرح ابوداؤد نے روایت کیا نیز فرمایا کہ: مروان بن مقفع فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی اپنی داڑھی کے ہتھیلی سے زائد بالوں کو تراشتے دیکھا ہے)۔ (3)۔

امام النقاد علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے اکلوتے راوی ''عمر بن ھارون'' پر تنقید کے باوجود اس حدیث سے علماء کی طرف سے داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کو کاٹنے کے جواز پر استدلال کو برقرار رکھا چنانچہ فرمایا کہ: ''**ثم حکی الطبری: اختلافا فیما یؤخذ من اللحیۃ ھل لہ حرام ام لا؟ فاسند عن جماعۃ الاقتصار علی اخذ الذی یزید منھا علی قدر الکف وعن الحسن البصری انہ یؤخذ من طولھا وعرضھا مالم یفحش وعن عطاء نحوہ۔۔۔۔ وکرہ آخرون التعرض لھا الا من حج او عمرۃ واسندہ عن جماعۃ واختار قول عطاء وقال: ان الرجل لو ترک لحیتہ لا یتعرض لھا حتی افحش طولھا وعرضھا لعرض نفسہ لمن یسخر بہ واستدل بحدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ کان یأخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا، وھذا اخرجہ الترمذی ونقل عن البخاری**

انہ قال :فی روایۃ عمر بن ہارون :لا اعلم لہ حدیثا منکرا الا ھذا وقد ضعف عمر بن ھارون مطلقاً جماعۃ وقال عیاض : یکرہ حلق اللحیۃ وقصھا وتحذیفھا واما الاخذ من طولھا وعرضھا اذا عظمت فحسن بل تکرہ الشعرۃ فی تعظیمھا کما یکرہ فی تقصیرھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تنبیہ: انکر ابن متین ظاہر ما نقل عن ابن عمر فقال :لیس المراد انہ کان یقتصر علی قدر القبضۃ من لحیتہ ،بل کان یمسک علیھا فیزیل ما شذ منھا ، فیمسک من اسفل ذقنہ باصابعہ الاربعۃ ملتصقۃ فیأخذ ما سفل عن ذالک لیتساوی طول لحیتہ‘‘۔

(فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد 10 صفحہ 395)

یعنی (چنانچہ امام طبری نے بیان فرمایا ہے کہ: داڑھی تراشنے کے بارے میں اختلاف ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے یا نہیں؟ پھر وہ (امام طبری) ایک جماعت سے ایسی روایتیں لائے ہیں جن میں ایک مشت سے زائد بالوں کو کاٹ دینا کے جواز پر اقتصار کیا گیا ہے نیز حسن بصری سے روایت ہے کہ: بلاشبہ وہ بھی داڑھی کے طول وعرض سے زائد بالوں کو کاٹ دیا کرتے تھے جب تک کہ: یہ کاٹنا حد سے کم نہ ہوجائے ، اور حضرت عطاء سے بھی اسی طرح روایت ہے۔۔۔۔۔اور کچھ دوسرے علماء کے نزدیک حج یا عمرہ کے علاوہ داڑھی کے بال کاٹنا مکروہ ہے، اور امام طبری نے ایک گروہ سے یہ بھی نقل کیا ہے لیکن امام طبری کا بھی مختار قول وہی ہے جو حضرت عطاء کا ہے نیز فرمایا کہ:

بلا شبہ اگر ایک آدمی اپنی داڑھی کو نہ چھیڑے اور اتنا بڑھنے دے کہ جس سے اسکی لمبائی اور چوڑائی بری لگنے لگے تو وہ شخص ایسے شخص کو بھی داڑھی سے نفرت پر اکسار ہا ہے جو داڑھی رکھنے پر مائل تھا، اور انہوں نے اس سلسلے میں عمرو بن شعیب کی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ وہ اپنے والد اور وہ انکے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: بلا شبہ حضور نبی کریم ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے زائد بالوں کو تراشا کرتے تھے، اور اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام بخاری سے عمر بن ہارون کی اس روایت کے بارے میں یوں نقل کیا ہے کہ: میں اس کی کسی بھی ایسی حدیث کو نہیں جانتا جو میری معرفت میں نہ ہو مگر یہ حدیث، حالانکہ عمر بن ہارون کو ایک گروہ نے مطلقاً ضعیف کہا ہے، البتہ قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ: داڑھی کا منڈانا، کاٹنا یا صاف کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن وہ جب بڑھ جائے تو اس کے طول وعرض سے کاٹ لینا یہ تو اچھا عمل ہے بلکہ داڑھی کو بہت زیادہ طویل کر دینا اسی طرح مکروہ ہے جیسا کہ اس کا حد سے کم کرنا، ۔۔۔۔۔۔۔ **تنبیہ**: ابن متین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کئے گئے عمل سے ظاہر ہونے والے ایک وہم کا انکار کیا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ: اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما داڑھی کو مشت کی مقدار سے بھی کم کر دیتے تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو پکڑتے پھر جو بال اس سے بھی الگ ہوتے یعنی آپ رضی اللہ عنہما اپنی تھوڑی کے نچلے حصے سے متصل چار انگلیوں کی مقدار بالوں کو پکڑ کر مزید نیچے لٹکنے والے زائد بالوں کو کاٹ دیتے تھے تا کہ داڑھی کی لمبائی اچھی طرح برابر ہو جائے)۔

(4)۔

''الشیخ الناقد''محدّث ابن جوزی نے بھی جناب رسول اللہ ﷺ کا ریش مبارک کے بالوں کوتراشنے والی روایت کے منتقد علیہ ہونے کو جانتے ہوئے بھی دو جگہ نقل کر کے استدلال قائم کردیا اورسونے پہ سہاگہ یہ کہ: ایک جگہ تو باب کا نام بھی ''**الباب السابع فی اخذہ من اللحیۃ**'' رکھا یعنی (ساتواں باب رسول اللہ ﷺ کا اپنی داڑھی مبارکہ سے کچھ تراشنے کے بیان میں)، پھر فرمایا:''**عن عمرو بن شعیب عن جدہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ یأخذ من طول لحیتہ وعرضھا**''یعنی (عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کوطول وعرض سے تراشا کرتے تھے)۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ لابن الجوزی صفحہ 397، 609)

(5)۔

شارح الحدیث امام قسطلانی نے بھی بغیر کسی تنقید کے اس روایت کو بطور دلیل بیان کیا:''**عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ :انہ ﷺ کان ﷺ یأخذ من لحیتہ من طولھاوعرضھا**'' (عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کوطول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے)۔

(المواھب اللدنیۃ للقسطلانی جلد2 المقصد الثالث الفصل الثانی)

(6)۔

الامام الاجل الشیخ زرقانی نے''**المواہب اللدنیہ**'' کی شرح لکھتے ہوئے اسی مقام پر امام قسطلانی کی ذکر کردہ روایت کی سند پر تنقید کرنے کے باوجود

اسے برقرار رکھا اوراس سے رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے مشت سے زائد بالوں کوکاٹنے کے سنت ہونے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا: "(**عن عمرو بن شعیب)بن محمد بن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص (عن ابیہ) شعیب (عن جدہ) ای شعیب وھو عبد اللّٰہ الصحابی،(انہ ﷺ کان یأخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا) بالسویۃ کما فی الروایۃ، لتقرب من التدویر من جمیع الجوانب ، لان الاعتدال محبوب ، والطول المفرط ، قد یشوہ الخلق ویطلق السنۃ المغتابین ففعل ذالک مندوب مالم ینتہ تقصیص اللحیۃ وجعلھا طاقات فیکرہ**"۔

(الزرقانی علی المواھب جلد5 صفحہ508)

یعنی (عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اپنے والد شعیب اور وہ یعنی شعیب اپنے دادا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جوصحابی ہیں سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کے طول وعرض سے زائد کو برابری کے ساتھ تراشا کرتے تھے جیسا کہ روایت میں ہے، تا کہ تمام طرفیں گولائی میں ایک دوسرے جیسی ہوجائیں کیونکہ میانہ روی شرع میں محبوب امر ہے اور بے جا لمبا کردینے سے چہرہ بھی بگڑتا ہے اور یہ لوگوں کی زبانِ طعن کی درازی کا سبب بھی ہے، چنانچہ داڑھی کے زوائد کاٹنا مستحب قرار پایا لیکن اتنا کاٹنا کہ حد سے بھی کم ہوجائے اور(منہ پر باندھی) پٹیوں کی طرح ہوجائے تو وہ مکروہ تحریمی ہے)۔

(7)۔

شیخ محقق امام عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: ''حلق کردن لحیہ حرام است وروشِ افرنج وہنود وجوالقیان کہ ایشان را قلندریہ نیز گویند وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است وآں کہ آنرا سنت گویند بمعنیٰ طریقہء مسلوک در دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بہ سنت ست چنانکہ نماز عیدرا سنت گفتہ اند''۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ لعبدالحق الدھلوی جلد1 صفحہ212)

(داڑھی منڈانا حرام ہے یہ افرنگیوں ، ہندوؤں اور جوالقیوں کا طریقہ ہے جنہیں قلندریہ بھی کہا جاتا ہے اور داڑھی ایک مشت کی مقدار رکھنا واجب ہے اور جنہوں نے اسے سنت کہا ہے تو وہ اسے دین میں جاری طریقہ کی وجہ سے ہی سنت کہتے ہیں یا اس وجہ سے کہ اس کا ثبوت سنت سے ثابت ہے جیسا کہ نمازِ عید کو بھی سنت کہہ دیا جاتا ہے)

(8)۔

نیز شیخ محقق امام عبدالحق محدث دہلوی اپنی دوسری کتاب'' **مدارج النبوت** ''میں فرماتے ہیں کہ:'' ودر وظائف النبی ﷺ گفتہ کہ لحیہ آں حضرت چہار انگشت بود طبعاً یعنی ہمیں مقدار بود از روی خلقت دراز وکم نمی شد وسندے بریں یافتہ نمی شود۔۔۔۔۔۔۔ نیز ایں سخن مخالف چیزیست کہ از شفاء مذکور شد ومنافی ست بانچہ در حدیث ترمذی آمدہ کہ آں حضرت می گرفت از لحیہ خود از طول وعرض ومی برید''۔

(مدارج النبوۃ لعبدالحق الدھلوی جلد1 صفحہ14)

یعنی (کتاب ''وظائف النبی ﷺ'' میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک چار انگشت کی طبعاً مقدار ہی تھی یعنی قدرتی طور پر ہی مٹھی بھر تھی اور گھٹتی یا

بڑھتی نہیں تھی چنانچہ اس کی سند کہیں نہیں پائی گئی ۔۔۔۔۔ نیز یہ بات اس کے بھی مخالف ہے جو کچھ شفاء میں مذکور ہے اور ترمذی کی اس حدیث کے بھی منافی ہے جس میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے پکڑ کر تراش لیا کرتے تھے)۔

(9)۔

علامۃ التفسیر امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے بعد بغیر کسی تنقید کے بطور استدلال بیان فرمایا کہ: ”**وفی البخاری: وکان ابن عمر یأخذ من طول لحیته مازاد علی القبضة اذا حج او اعتمر وروی الترمذی عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص: ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها، قال: هذا حدیث غریب**“ یعنی (بخاری میں ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کے طول سے مشت سے زائد بالوں کو کاٹ دیا کرتے تھے اور ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراشا کرتے تھے، نیز فرمایا: کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

(تفسیر لاحکام القرآن للقرطبی جلد 2 صفحہ 104)

(10)۔

الامام الشیخ محمد بن ابی بکر المعروف بامام زادہ الحنفی نے اس حدیث پر بغیر

کسی تنقید کے استدلال قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ: ’’**فانہ** ﷺ **کان یأخذ من عرضھا وطولھا وذالک الاخذ فی الخمیس او الجمعۃ**‘‘ (چنانچہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراشا کرتے تھے اور یہ تراشا ہر جمعرات یا جمعہ کو ہوتا تھا)۔

(شرعۃالاسلام لامام زادہ مع شرحہ صفحہ 362)

(11)۔

الشیخ یعقوب بن سید علی البروسوی نے ’’الشیخ امام زادہ‘‘ کی نقل کردہ اس روایت کو بغیر کسی تنقید کے برقرار رکھا اور اس سے مزید استدلال فرمایا کہ: ’’**(واعفاء اللحیۃ) ای تکثیرھا والمراد منہ عدم المبالغۃ فی الجز (فانہ) ای النبی** ﷺ **(کان یأخذ من عرضھا وطولھا)اذا زاد علی قدر القبضۃ (و) کان یفعل (ذالک الاخذ فی الخمیس او الجمعۃ)ولا یترکہ مدۃ طویلۃ فوق الاسبوع واعلم ان النبی** ﷺ **قال: اعفوا اللحی واحفوا الشوارب واراد بہ النھی عما یفعلہ الاعاجم والافرنج من قص اللحیۃ ای قطع کلھا وتوفیر الشارب فانہ مکروہ، صرح بہ زین العرب وغیرہ رحمھم اللہ وھذا لا ینافی ما رواہ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ من انہ** ﷺ **کان یأخذ من لحیتہ طولا وعرضا اذا زاد علی قدر القبضۃ کذا فی التنویر**‘‘۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام للبروسوی صفحہ 362)

یعنی (اور داڑھیاں بڑھانے کا مطلب ہے ان کو زیادہ کرنا اور اس کی مراد کاٹنے میں مبالغہ سے بچنا ہے کیونکہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے جب وہ بال مشت سے زائد ہو جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ یہ کام جمعرات یا جمعہ کو کیا کرتے تھے اور ایک ہفتے سے زیادہ مدت تک اسے یونہی نہیں چھوڑ دیتے تھے اور تم جان لو کہ: بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو، اور اس سے آپ ﷺ کی مراد عجمیوں اور انگریزوں کی طرح داڑھیاں کاٹنے سے ہی روکنا ہے یعنی سب صاف کر دینا اور مونچھیں بڑھا دینا کیونکہ یہ مکروہ تحریمی ہے، اسی بات کی تصریح علامہ زین العرب وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی کی ہے اور یہ داڑھیاں بڑھانے کا حکم اس روایت کے بالکل بھی منافی نہیں جسے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے مشت سے زائد بالوں کو تراش لیا کرتے تھے جیسا کہ "التنویر" میں بھی ہے)۔

(12)۔

نیز "علامہ الشیخ امام زادہ" اور "علامہ البروسوی" کی پیش کردہ انہی مذکورہ بالا عبارات کا ذکر بغیر کسی قسم کی تنقید کے امام ملا علی القاری نے بھی فرمایا ہے کہ: "**قید الحدیث فی شرح الشرعۃ بقولہ: اذا زاد علی قدر القبضۃ وجعلہ فی التنویر من نفس الحدیث وزاد فی الشرعۃ وکان یفعل ذالک فی الخمیس او الجمعۃ ولا یترکہ**

مدة طويلة ’’یعنی (حدیث کی قید ’’**الشرعه**‘‘ کی شرح (**مفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام**) میں اس قول سے مذکور ہے کہ: جب رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے بال قدرِ مشت سے زائد ہو جاتے تو آپ زائد بالوں کو کتروا دیتے تھے ، اور ’’ تنویر‘‘ میں قیدِ مذکور کو نفسِ حدیث قرار دیا گیا ہے اور ’’**الشرعة**‘‘ (**شرعة الاسلام**) میں اتنا اضافہ ہے کہ: حضور نبی کریم ﷺ بروز جمعہ یا جمعرات کو ہی ایسا کیا کرتے تھے اور زیادہ عرصہ داڑھی کو چھوڑ نہیں دیتے تھے)۔

(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 285)

(13)۔

الامام الشیخ شہاب الدین الخفاجی اسی حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مستدلاً فرماتے ہیں کہ: ’’**وقد ثبت قصرها** ‘‘یعنی (رسول اللہ ﷺ کا داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کا کاٹ دینا ثابت ہے)۔

(نسیم الریاض للخفاجی جلد 1 صفحہ 331)

(14)۔

مجددِ عصر امام ملا علی القاری شفاء شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ’’

اذا كان يأخذ منها ما زاد على القبضة وربما كان يأخذ من اطرافها ايضا ‘‘یعنی (رسول اللہ ﷺ جب ریش مبارک کو (لمبائی میں) تراشا کرتے تھے تو وہ مشت سے زائد نہیں ہو پاتی تھی اور کبھی کبھار تو آپ ﷺ اپنی ریش مبارک کو چوڑائی سے بھی تراشا کرتے تھے)۔

(شرح الشفاء لملا علی القاری جلد1 صفحہ160)

(15)۔

امام السیرۃ العلامہ الصالحی الدمشقی نے اس حدیث کو بطور استدلال بیان فرمایا کہ:"**عن عبد اللّٰہ بن عمر (عمرو) رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما ان النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **کان یأخذ من لحیتہ ، من طولھا وعرضھا بالسویۃ، ورواہ الترمذی دون قولہ بالسویۃ وقال: غریب وسمعت محمدا یقولہ**"یعنی (حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: بلاشبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے بالوں کو طول وعرض سے برابر تراشا کرتے تھے، اور اسے ترمذی نے"**السویۃ**" کے بغیر روایت کیا ہے اور فرمایا کہ: یہ حدیث غریب ہے نیز میں نے امام بخاری کو بھی یہی فرماتے سنا ہے)۔

(سبل الھدیٰ والرشاد للصالحی جلد7 صفحہ348)

(16)۔

العارف باللہ القاضی یوسف بن اسماعیل النبہانی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل منورہ میں بغیر کسی تنقید کے یوں بیان فرمایا کہ:"**وکان** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **یأخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا رواہ الترمذی**"یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراشا کرتے تھے، رواہ الترمذی)۔

(الانوار المحمدیہ للنبہانی صفحہ139)

(17)۔

امام السیرۃ الشیخ نور الدین علی الحلبی نے بھی بغیر کسی تنقید کے بیان کیا کہ:

”وکان ﷺ یأخذ بالمقراض من عرض لحیتہ وطولہا “

یعنی (رسول اللہ ﷺ قینچی کے ذریعے اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے)۔

(السیرۃ الحلبیہ لنور الدین الحلبی جلد3 صفحہ 468)

(18)۔

الامام الشیخ حسین بن محمد بن حسن الدیاربکری ”**تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس**“ میں ”الشرعہ“ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ”**ان النبی ﷺ کان یقص من لحیتہ من عرضھا وطولھا ویفعل ذالک فی الخمیس والجمعۃ**“ یعنی (بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ہر جمعرات یا جمعہ کو اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے تراشا کرتے تھے)۔

(تاریخ الخمیس للدیار بکری جلد3 صفحہ 383)

(19)۔

سرتاج الفقہاء امام ابن عابدین الشامی نے اس حدیث کو بغیر کسی قسم کی تنقید کے بطور دلیل پیش کیا ہے چنانچہ فرمایا: ”**ماوراء ذالک یجب قطعہ، ھکذا عن رسول اللہ ﷺ: انہ کان یأخذ من اللحیۃ من طولھا وعرضھا اوردہ ابو عیسیٰ: یعنی الترمذی فی جامعہ، ومثلہ فی المعراج، وقد نقلہ عنھا فی الفتح**

واقرہ۔۔۔۔۔۔حذف الزیلعی لفظ "یجب" وقال: وما زاد یقص"۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد3صفحہ456)

یعنی (داڑھی کے جو بال مشت سے زائد ہوں انہیں کاٹ دینا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ: بلاشبہ آپ ﷺ بھی اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے زائد بالوں کو تراشا کرتے تھے اس روایت کو ابو عیسیٰ یعنی امام ترمذی نے اپنی جامع میں وارد کیا اور اسی طرح "المعراج" میں بھی ہے اور وہیں سے علامہ ابن حجر نے "فتح الباری" میں بھی نقل کیا اور اسے برقرار رکھا۔۔۔۔۔علامہ زیلعی نے لفظ "**یجب**" یعنی "واجب ہے" کا لفظ حذف کر دیا اور یوں فرمایا کہ: جو بال زائد ہو جائیں وہ کاٹ دیئے جائیں)۔

(20)۔

امامِ اجل الشیخ عبد الوہاب الشعرانی ترجیحاً مستدلاً فرماتے ہیں کہ:

"**وکان صلی اللہ علیہ وسلم یأخذ من لحیتہ عن عرضھا وطولھا**" یعنی رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کو طول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے۔

(کشف الغمہ عن جمیع الامہ للشعرانی حصہ1صفحہ50)

(21)۔

الشیخ امام ملا علی القاری نے "**شرح مسند امام اعظم**" میں اس حدیث کو بغیر کسی تنقید کے بطور استدلال پیش کیا کہ: "**وفی حدیث الترمذی**

،**عن ابن عمر (عمرو) انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان یأخذ من لحیتہ من عرضھا و طولھا**'' (اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراشا کرتے تھے)۔

(شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری صفحہ 424)

(22)۔

الشیخ العلامہ محمد عبدالرؤف المناوی نے اس حدیث ''**کان یأخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا**'' کی سند پر تنقید کے باوجود اس سے استدلال واستعمال کے ثبوت پر سیر حاصل مفصل کلام کرکے اسے اسلاف کا معمول بھی قرار دیا۔

(فیض القدیر للمناوی جلد6 صفحہ 578)

(23)۔

الامام المحدّث ابوبکر احمد بن حسین البیہقی نے ''**شعب الایمان**'' میں ''**فصل فی الاخذ من اللحیۃ والشارب**'' کا عنوان قائم کیا پھر اس میں صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخذِ لحیہ کے ساتھ ساتھ عمرو بن شعیب کی اس روایت کو سنداً تنقید کے باوجود روایت بھی کیا جو ترجیحاً جوازِ استدلال کی علامت ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی جلد5 صفحہ 219، 220، 221)

(24)۔

الحافظ الامام احمد بن ابی بکربن اسماعیل البوصیری''**اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ**'' جلد 5میں''**باب احفاء الشارب وتوفیر اللحیۃ واکرامھا وماجاء فی الاخذ من اللحیۃ ومن طولھا وعرضھا**'' کا عنوان قائم کیا اوراسی باب میں عمرو بن شعیب کی اسی روایت''**کان یأخذ من لحیتہ من طولھاو عرضھا بالسویۃ**'' کو باوجودتنقید روایت کیااور پھر یہی نہیں بلکہ جلد 6 پرمزید ''**باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ**'' کا عنوان قائم کیا پھراس باب کے تحت بھی عمرو بن شعیب کی اسی روایت''**کان یأخذ من لحیتہ من طولھاوعرضھابالسویۃ**'' کوسنداً تنقید کے باوجوددوبارہ نقل کردیا۔

(اتحاف الخیرۃللبوصیری جلد5صفحہ14، جلد6صفحہ184)

(25)۔

شارحِ بخاری علامہ امام بدرالدین عینی''البنایہ شرح ہدایہ''میں اس حدیث کو ثابت رکھتے ہوئے بطور استدلال فرماتے ہیں کہ:''**ما زاد علیٰ ذالک یجب قطعہ ھکذا روی عن رسول اللّٰہ** ﷺ **انہ کان یأخذ من طولھا وعرضھا**''یعنی داڑھی کے جو بال ایک مشت سے زائد ہوجائیں انہیں کاٹ دینا واجب ہے کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے کہ بلاشبہ آپ ﷺ طول وعرض سے اخذِلحیہ فرمایا کرتے تھے۔

(البنایۃ شرح ھدایۃ للعینی جلد3صفحہ346)

(26)۔

علامہ امام ابن ہمام نے بھی اپنی ''فتح القدیر'' میں اسی روایت سے استدلال فرمایا کہ ''**وھو ای القدر المسنون فی اللحیۃ القبضۃ و ما وراء ذالک یجب قطعہ ھکذا عن رسول اللّٰہ ﷺ انہ کان یأخذ عن لحیتہ من طولھا و عرضھا** ''یعنی داڑھی صرف ایک مشت تک ہی مسنون ہے اور جو اس سے زائد ہوا سے کاٹ دینا واجب ہے کیونکہ اسی طرح جنابِ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ بھی طول و عرض سے اخذِ لحیہ فرمایا کرتے تھے۔

(فتح القدیر لابن ھمام جلد2 صفحہ76)

(27)۔

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی نے مشکوۃ المصابیح کی شرح ''مظاہرِ حق'' میں اسی روایت کے تحت لکھا ہے کہ: ''(رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی مبارک کے ہر طرف سے بڑھے ہوئے بال کتر کر برابر کرتے تھے اور یہ اعفاء و توفیر کے منافی نہیں ہے جس کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے، کیونکہ ممانعت تو اس بات کی ہے کہ: اہل عجم کی طرح داڑھی کو چھوٹا مت کرو اور طول و عرض سے زیادہ لمبے بالوں کا آگے سے کاٹ دینا اس کے منافی نہیں کیونکہ یہ اصلاح کیلئے ہے اور یہ آپ ﷺ سے منقول ہے، نیز ابن مالک کا قول ہے کہ: داڑھی کے بالوں کو برابر کرنا سنت ہے)''۔

(مظاہرِ حق لقطب الدین الدھلوی (مترجم) جلد4 صفحہ234)

فائدہ:۔

جی جناب! تو کیا اتنے محدثین وفقہاء کا اس حدیث کو باوجود تنقید کے قبول کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ ان تمام کے نزدیک اس حدیث کی کوئی تو اہمیت ضرور ہے؟ تمہارا تو پتہ نہیں البتہ ہمیں اپنے موقف پر حق الیقین حاصل ہو گیا کیونکہ مذکورہ بالا جمہور علماء نے اس روایت کو بوجہ ضعف ترک نہیں کر دیا بلکہ انہوں نے اس سے استدلال کو ہی بہتر جانا، چنانچہ ان تمام کے نزدیک یہ حدیث درج ذیل وجوہات کی بناء پر قابلِ استدلال سمجھی گئی ہے مثلاً!

(1)۔ یہ روایت شریعت میں نقصان کی بجائے تحسینِ سنت کا فائدہ دیتی ہے۔

(2)۔ یہ روایت کسی بھی صحیح حدیث کے مخالف نہیں۔

(3)۔ عملِ صحابی اور دیگر روایات سے بھی اسے تقویت پہنچتی ہے۔

(4)۔ میانہ روی کے سلسلہ میں قرآن وسنت سے بھی اس کو تقویت حاصل ہے۔

(5)۔ خود دلائلِ صحیحہ ثابتہ سے ثابت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک بھی سینہ سے متجاوز نہیں تھی (ظاہر ہے کہ اس کا سبب بھی تراشنا ہی تھا)۔

(6)۔ اہلِ علم کا بھی اسی پر عمل اور فتویٰ ہے چنانچہ علماء حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جس حدیث کو ائمہ فن استدلال کے قابل سمجھ کر دلیل بنالیں تو وہ بھی ضعف کے باوجود قوت پا جاتی ہے۔

اور تو اور جنابِ رسول اللہ ﷺ سے اخذِ لحیہ پر صرف یہی ایک روایت ثابت نہیں بلکہ مزید روایات بھی کتبِ معتمدہ متداولہ میں موجود وثابت ہیں جن میں سے کسی روایت میں اپنی ریش مبارک کو بذاتِ خود تراشنا، کسی روایت میں کسی دوسرے سے ترشوانا اور کسی روایت میں دوسروں کو اپنی داڑھیاں تراشنے کا حکم دینا بھی ثابت ہے

حتی کہ کسی روایت میں ایک مشت تک ہلکی داڑھی کی فضیلت بیان کرنا بھی ثابت ہے، جن کا بیان ان شاء اللہ العزیز آئندہ کردیا جائے گا چنانچہ اس وجہ سے بھی عمرو بن شعیب والی سابقہ روایت قوت پکڑ جاتی ہے۔

چنانچہ شاید یہی وجہ ہے کہ تمہارے اپنے مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 123 میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ!

''سوال: داڑھی مسلمان کو کس قدر لمبی رکھنے کا حکم ہے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے ''داڑھی بڑھاؤ جس قدر خود بڑھے'' ہاتھ کے ایک قبضے کے برابر رکھ کر زائد کٹوا دینا جائز ہے، آنحضرت ﷺ کی داڑھی مبارک قدرتی گول تھی تاہم اطراف وجوانب، طول وعرض سے کسی قدر کانٹ چھانٹ کردیتے تھے''۔

۔۔۔۔۔''الفضل ما شھدت بہ الاعدائ''۔۔۔۔۔

(فصل)

اخذ و اعفاء میں کوئی منافاۃ نہیں

تعجب ہے: تم نے اپنے فتویٰ میں ''اخذ''یعنی داڑھی تراشنے والی حدیث کواعفاء یعنی ''**اعفوا اللحی**'' والی حدیث کا مدِ مقابل اور منافی سمجھ کر رد کر دیا حالانکہ جمہور علماء کی اچھی خاصی تعداد نے اپنی کتب میں داڑھی تراشنے والی حدیث کو دلیل بنایا اور خود اصحابِ رسول ﷺ کا عمل بھی اسی پر ثابت ہے لہذا اگر تمہاری اس بے بیان منطق کو خدانخواستہ کچھ بھی اہمیت دے دی جائے تو حال یہ ہو کہ محدثین تو ایک طرف خود نمونہء رشد و ہدایت اصحابِ مصطفی ﷺ کو بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کا پیرو نہیں بلکہ (معاذ اللہ) کھلا مخالف قرار دیدیا جائے، بس یہی تو تمہارے اور ہمارے درمیان فرق ہے، تم نے وہ مؤقف اپنایا جس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی خلافِ سنت کے ارتکاب کے موردِ الزام ٹھہرایا جانا لازمی ہوا، چاہیے تو یہ تھا کہ: مذکورہ بالا علماء کے اس روایت کو قبول کرنے اور اپنی کتب میں درج کر کے استدلال کرنے سے ہی یہ اندازہ لگا لیا جاتا کہ: جمہور علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو کاٹ دینے والی یہ روایت ''**اعفو االلحی**'' کے مدِ مقابل ہرگز نہیں، ورنہ یہ جمہور علماء اس روایت کو اہمیت ہی کیوں دیتے ؟ لیکن ''**لَا اُسلِّمُ**'' کا کیا کیجیے؟ جتنی بھی صراحت کیجیے کم ہے چنانچہ بالصراحت ''اخذ'' و ''اعفائ'' کے درمیان عدمِ منافات کے دلائل ملاحظہ ہوں!

(1)۔

امام الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: ''**وحمل ھؤلاء النھی علی منع ماکانت الاعاجم تفعلہ من قصھا وتخفیفھا**'' یعنی (اور داڑھیاں کاٹنے کی ممانعت والی حدیث کو عجمیوں کی

طرح کاٹنے اور داڑھیاں بالکل چھوٹی کروا دینے سے منع پر ہی محمول کیا جائے گا)۔

(فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد 10 صفحہ 395)

نیز فتح الباری کی اسی عبارت کو بطور تائید تمہارے ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 137 پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

(2)۔

الشیخ الامام قسطلانی فرماتے ہیں کہ: **''وحملوا النھی علی منع ما کانت الاعاجم تفعلہ من قصھا وتخفیفھا وقال عطائ: ان الرجل لو ترک لحیتہ لا یتعرض لھا حتی افحش طولھا وعرضھا العرض نفسہ لمن یستخف بہ''**۔

(ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی جلد 8 صفحہ 464)

یعنی (اور اسلاف نے ''نہی'' (**اعفوا اللحی**) والی حدیث کو عجمیوں کی طرح کاٹنے یا کم کرنے سے منع پر ہی محمول کیا ہے اور حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ: بلاشبہ اگر ایک آدمی اپنی داڑھی کو یونہی چھوڑ ڈالے اور اس سے کچھ بھی نہ کاٹے تو اس کی بے حد لمبائی اور چوڑائی بری لگنے لگے گی تب تو وہ ایسے شخص کو ضرور اکسائے گی جو داڑھی کی توہین کرنا چاہتا ہے)۔

(3)۔

شیخ علامہ الصالحی الدمشقی نے بیان فرمایا ہے کہ: **''قال الطیبی: لا منافاۃ بین حدیث الاخذ من لحیتہ الشریفۃ ﷺ وبین قولہ "اعفوا اللحیات"، النھی عنہ ھو قصھا کفعل**

الاعجام، والاخذ من الاطراف قلیلا لا یکون من القص فی شیئ''۔

(سبل الھدیٰ والرشاد للصالحی جلد 7 صفحہ 351)

یعنی (علامہ طیبی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کا اپنی ریش مبارک کو تراشنے والی حدیث اور آپ ﷺ کے فرمان عالیشان ''داڑھیاں بڑھاؤ'' میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ ''**اعفوا**'' فرما کے جس کاٹنے سے روکا گیا ہے وہ تو عجمیوں کے فعل (یعنی مطلقاً مونڈ دینے) سے روکا گیا ہے چنانچہ داڑھی کے زائد کناروں سے تھوڑے بہت بال تراش لینا ''**اعفوا**'' کے خلاف نہیں)۔

(4)۔

الشیخ الامام زرقانی نے بھی ''**زرقانی علی المواھب**'' جلد 5 صفحہ نمبر 508 میں فرمایا ہے کہ: ''**ثم لا ینافی فی فعلہ** ﷺ **قولہ : ''اعفوا اللحی''۔۔۔ وقال الطیبی: المنھی عنہ: قصھا کالاعاجم او وصلھا کذنب الحمار وقال الحافظ: المنھی عنہ الاستئصال او ما قاربہ بخلاف الاخذ المذکور''۔**

(الزرقانی علی المواھب جلد 5 صفحہ 508)

یعنی (رسول اللہ ﷺ کا ریش مبارک کو تراشنا آپ ﷺ کے فرمان ''داڑھیاں بڑھاؤ'' کے بالکل منافی نہیں۔۔۔۔ اور علامہ الطیبی فرماتے ہیں کہ: جس چیز سے روکا گیا ہے وہ عجمیوں کی طرح (حد سے زیادہ) کاٹ ڈالنا ہے یا پھر گدھے کی دُم کی طرح بے حد لمبا چھوڑ دینا ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: جس چیز سے روکا گیا

ہے وہ جڑ سے ہی اکھیڑ دینا ہے یا اس کے قریب کر دینا ہے نہ کہ: داڑھی کو ایک مشت تک رکھنے کیلئے مذکورہ تراشنا)۔

(5)۔

العلامہ الشیخ علی الحلبی فرماتے ہیں کہ: ”**وکان** ﷺ **یأخذ بالمقراض من عرض لحیته و طولها و قد لا ینافی ذالک ما جاء : ”امرنی ربی باعفاء لحیتی وقص شاربی“**“ یعنی (رسول اللہ ﷺ قینچی کیساتھ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے اور یہ بات بالکل بھی اس حدیث کے منافی نہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے)۔

(السیرۃ الحلبیۃ للحلبی جلد3صفحہ468)

(6)۔

الشیخ یعقوب بن سید علی البروسوی نے ”**مفاتیح الجنان**“ صفحہ نمبر 362 میں بیان کیا ہے کہ: ”**واعلم ان النبی ﷺ قال: ”اعفوا اللحی واحفوا الشوارب“ واراد به النهی عما یفعله الاعاجم والافرنج من قص اللحیة ای قطع کلها وتوفیر الشارب فانه مکروه، صرح به زین العرب وغیره رحمهم اللہ وهذا لا ینافی ما رواه عمرو بن شعیب رضی اللہ عنه من انه ﷺ کان یأخذ من لحیته طولا وعرضا اذا زاد علی قدر القبضة**

“۔

(مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام للبروسوی صفحہ 362)

یعنی (جان لو کہ: بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”اپنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو“ اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد اس عمل سے روکنا ہے جو عجمی اور فرنگی لوگ داڑھیاں کاٹ کر کرتے تھے یعنی ساری داڑھیاں کاٹ دیتے اور مونچھوں کو بڑھا دیا کرتے تھے کیونکہ یہ ناپسندیدہ عمل ہے اسی کی زین العرب وغیرہ رحمہم اللہ نے تصریح فرمادی ہے، اور یہ مذکورہ حدیث اس روایت کے بالکل بھی خلاف نہیں جسے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے مشت سے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے)۔

(7)۔

امام علاء الدین الحصکفی فرماتے ہیں کہ: ”**لا یکرہ ۔۔۔ تطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون وھو القبضۃ وصرح النھایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ بالضم و مقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت و اما الاخذ منھا وھی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ، و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد ، واخذ کلھا فعل یھود الھند و مجوس الاعاجم**“۔

(در المختار مع رد المحتار جلد 3 صفحہ 456، 457)

یعنی (داڑھی کو ایسا طویل کرنا کہ وہ مسنون مقدار یعنی مشت تک ہی رہے مکروہ نہیں اور نہایہ میں مشت سے زائد بالوں کے کاٹنے کو واجب ہونے کی تصریح کی گئی ہے ''القبضہ'' قاف کی پیش کے ساتھ ہے، نہایہ کی عبارت کا تقاضہ یہ ہے کہ: داڑھی کو مشت سے زائد بڑھانے پر گناہ ہو یہ اس وقت ہوگا جب وجوب کو ثبوت کے معنیٰ میں مراد نہ لیا جائے، نیز مشت سے بھی کم کرنا یہ تو بعض مغربی لوگوں اور ہیجڑوں کا کام ہے جسے کسی ایک نے بھی جائز قرار نہیں دیا، اور داڑھی کو سارا کاٹ دینا ہندوؤں اور مجوسیوں کا فعل ہے)۔

(8)۔

علامہ امام ابن عابدین الشامی نے بھی داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کا تراشنا رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''**اعفوا اللحی**'' کے غیر منافی قرار دیتے ہوئے بڑی دلچسپ تحقیق فرمائی ہے، کہ: ''**(واما الاخذ منها الخ) بهذا وفق فى الفتح بين ما مر فى الصحيحين عن ابن عمر عنه** ﷺ: ''**احفوا الشوارب واعفوا اللحى**'' **قال: لانه صح عن ابن عمر راوى هذا الحديث انه كان يأخذ الفاضل عن القبضة، فان لم يحمل على النسخ كما هو اصلنا فى عمل الراوى على خلاف مرويه مع انه روى عن غير الراوى، وعن النبى** ﷺ **يحمل الاعفاء على اعفائها عن ان يأخذ غالبها او كلها كما هو فعل مجوس الاعاجم من حلق لحاهم، ويؤيده ما فى مسلم عن ابى هريرة عنه** ﷺ : ''**جزوا الشوارب واعفوا**

اللحی،خالفوا المجوس" فھذہ الجملۃ واقعۃ موقع التعلیل ، واما الاخذ منھا وھی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد۔۔الخ۔ملخصاً "۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد3 صفحہ456، 457)

یعنی((اور داڑھی کے زائد بال کاٹنا۔۔الخ)فتح میں اسی سے صحیحین کی گزشتہ حدیث کے درمیان جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے موافقت ثابت کردی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"موچھوں کو پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ" فرماتے ہیں کہ: یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ:اسی حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بذاتِ خود مشت سے زائد بالوں کو کاٹتے تھے(جس سے داڑھیاں بڑھانے کے حکم کا نسخ ثابت ہوتا ہے)لیکن اگر ہم اپنے اصول کے مطابق خود راوی کا اپنی ہی روایت شدہ حدیث کے خلاف عمل کرنے کی وجہ سے مزید رواۃ کی موجودگی میں(" **اعفوا اللحی** " والی حدیث کو) نسخ پر نہ بھی محمول کریں تو پھر بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت شدہ داڑھیاں بڑھانے والی حدیث کو ایسے بڑھانے پر ہی محمول کیا جائے گا جو داڑھیوں کو کاٹ کر مشت سے بھی کم کردیئے جانے یا سارا ہی کاٹ ڈالنے کے خلاف ہوگا جیسا کہ مجوسیوں کا فعل ہے جو اپنی داڑھیوں کو مونڈ ڈالا کرتے تھے، اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"موچھیں کاٹ کر اور داڑھیاں بڑھا کر مجوسیوں کی مخالفت کرو" چنانچہ یہ جملہ مقامِ بیانِ علت پر ہی

واقع ہوا ہے، لہذا مشت سے زائد بالوں کو تراشنا یہ اس فعل کے مشابہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ بعض مغربی اور مردانہ ہیجڑے کرتے ہیں کیونکہ اس کو (یعنی مغربی و ہیجڑوں کے فعل کو) کسی ایک نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔۔الخ۔ملخصاً)۔

(9)۔

علامہ محمد عبد الرؤوف المناوی نے بھی فرمایا کہ: "**ثم ان فعله هذا لا يناقض قوله: "اعفوا اللحى" لان ذالك فى الاخذ منها لغير حاجة او لنحو تزين وهذا فيما اذا احتيج اليه لتشعث او افراط يتأذى به ،وقال الطيبى: المنهى عنه: هو قصها كالاعاجم او وصلها كذنب الحمار وقال ابن حجر: المنهى عنه الاستئصال او ما قاربه ،بخلاف الاخذ المذكور**"۔

(فیض القدیر للمناوی جلد 6 صفحہ 578)

یعنی (پھر رسول اللہ ﷺ کا ریش مبارک کو تراشنا آپ ﷺ کے فرمان "داڑھیاں بڑھاؤ" کے بالکل منافی نہیں، کیونکہ اس حدیث میں ممانعت تو اس تراشنے سے ہے جو بغیر کسی ضرورت اور محض (عورتوں کی طرح) آراستہ ہونے کیلئے کیا جائے اور وہ (مشت سے زائد بالوں کا) تراشنا اس وقت ہوتا ہے جب داڑھی کے بال بکھر جائیں یا اتنے بڑھ جائیں کہ ایذاء دینے لگ جائیں، اور علامہ الطیبی فرماتے ہیں کہ: جس تراشنے سے روکا گیا ہے وہ عجمیوں کی طرح (حد سے زیادہ) کاٹ ڈالنا ہے یا پھر گدھے کی دُم کی طرح بے حد لمبا چھوڑ دینا ہے اور حافظ ابن حجر یوں فرماتے ہیں کہ: جس تراشنے سے روکا گیا ہے وہ جڑ سے ہی اکھیڑ دینا ہے یا اس

کے قریب کر دینا ہے نہ کہ: داڑھی کو ایک مشت تک رکھنے کیلئے مذکورہ تراشنا)۔

(10)۔

شارح المشکوۃ امام ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ: ”**قال الطیبی: ہذا لا ینافی قوله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”**اعفوا اللحی“ لان المنہی عنه ہو قصھا کفعل الاعاجم، او جعلھا کذنب الحمام و المراد بالاعفاء: التوفیر منه کما فی الروایۃ الاخری و الاخذ من الاطراف قلیلا لا یکون من القص فی شیء**“ یعنی (علامہ امام طیبی فرماتے ہیں کہ: یہ داڑھی تراشنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول ”داڑھیاں بڑھاؤ“ کے منافی نہیں ہے کیونکہ جس کاٹنے سے روکا گیا ہے وہ عجمیوں کی طرح کاٹنا ہے، یا ایسا کاٹنا کہ داڑھی کبوتر کی دُم کی طرح ہو جائے اور ”بڑھانے“ کا مطلب: عجمیوں سے وافر کرنا ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور فقط کناروں سے داڑھی کو تراش لینا یہ اسے مشت سے کم کرنا نہیں ہوتا)۔

(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 285)

(11)۔

امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ: ”**یحمل الاعفی علی اعفاھا من ان یأخذ غالبھا او کلھا کما ھو فعل المجوس الاعاجم من حلق لحاھم کما یشاھد فی الھنود و بعض اجناس الفرنج فیقع بذالک الجمع بین الروایات و یؤید ارادۃ ھذا ما فی المسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنه عن النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”**جزوا**

الشوارب واعفوا اللحیٰ خالفوا المجوس" فھذہ الجملۃ واقعۃ موقع التعلیل واما الاخذ منھا وھی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ والخنثۃ الرجال لم یبحہ احد "۔

(فتح القدیر لابن ہمام جلد2صفحہ 77کتاب الصوم)

یعنی (داڑھیاں بڑھانے کے حکم کو اسی بات پر محمول کیا جائے گا کہ: داڑھی کا اکثر یا تمام حصہ نہ کاٹ دیا جائے جیسا کہ عجمی مجوسی لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اپنی داڑھیوں کو سرے سے ہی مونڈ ڈالتے ہیں اسی طرح کا عمل ہندوؤں اور بعض انگریزوں میں بھی ملاحظہ کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر حکمِ اعفاء کے اسی مفہوم کو مراد لیں گے تبھی روایات میں تطبیق ہوگی چنانچہ اس مراد و مفہوم کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مونچھوں کو پست کرو، اور داڑھیوں کو بڑھنے دو اور مجوسیوں کی مخالفت کرو" آپ ﷺ کا یہ جملہ (مجوسیوں کی مخالفت کرو) تعلیل کی جگہ واقع ہوا ہے اور بہرحال داڑھی کو کاٹ کر ایک مشت سے بھی کم کر دینا جیسا کہ بعض مغرب زادے اور ہیجڑے کرتے ہیں اسے کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا)۔

(12)۔

امام زین الدین ابن نجیم فرماتے ہیں کہ: **"واما الاخذ منھا وھی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ والمخنثۃ من الرجال فلم یبحہ احد کذا فی فتح القدیر وقد صرح فی النھایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ بالضمۃ مقتضاہ**

الاثم بترکھا‘‘۔

(بحر الرائق جلد 2 صفحہ 270 مطبوعہ مصر)

اور داڑھی کے بالوں کو کاٹ کر مشت سے کم کر دینا جیسا کہ بعض مغرب زادے اور ہیجڑے کرتے ہیں اسے کسی نے بھی جائز نہیں کہا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور نہایہ میں صراحت کی گئی ہے کہ ایک مشت سے بڑھے ہوئے داڑھی کے بال کاٹنا واجب ہے، اوراس کا تقاضا یہی ہے کہ داڑھی کو یونہی چھوڑ دینے والا گناہگار ہوگا۔

(13)۔

علامہ قاضی ابن ولید سلیمان فرماتے ہیں کہ: **’’وقد استحب ذالک مالک رحمہ اللّٰہ تعالیٰ لان الاخذ منھما علیٰ وجہ لا یغیر الخلقۃ من الجمال والاتیصال لھما مثلۃ کحلق رأس المرأۃ فمنع من استیصالھا او ان یقع منھما مع تغیر الخلقۃ ویؤدی الی المثلۃ واما ما تزاید منھما وخرج عن الجمال الی حد التشحث وبقائہ مثلۃ‘‘**

(المنتقیٰ شرح المؤطا جلد 3 صفحہ 32 کتاب الحج)

یعنی (امام مالک نے اسے مستحب قرار دیا ہے کیونکہ سر اور داڑھی کے زوائد تراشنا اس وجہ سے ہے کہ انسانی تخلیقی جمال میں بدصورتی نہ آجائے، اور یہ عمل درست ہے، لیکن داڑھی کو جڑ سے ہی مونڈ ڈالنا شکل کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے جیسا کہ عورت کا اپنے سر کے بال ہی منڈوا دینا، تو امام مالک نے داڑھی کے بالوں کو جڑ سے مونڈ دینا یا ایسے طریقے سے کاٹنے سے منع فرمایا ہے جس سے مردانگی پر اثر پڑے اور شکل میں بگاڑ

آئے، نیز جو بال حدِ شرعی سے بڑھ جائیں وہ جمال سے نکل کر بدصورتی کی حد تک بڑھ جاتے ہیں تو ان بالوں کو باقی چھوڑ دینا بھی ''مثلہ'' یعنی شکل کا بگاڑ ہے)۔

(14)۔

محشی المشکوۃ مولانا احمد علی سہارنپوری فرماتے ہیں کہ: ''**قوله: "كان يأخذ من لحيته" هذا لا ينافي قوله ﷺ: "اعفوا اللحى" لان المنهي عنه هو قصها كفعل الاعاجم۔۔۔۔۔۔ والمراد بالاعفاء: التوفير منه كما في الرواية الاخرى والاخذ من الاطراف قليلا لا يكون من القص في شيء**''۔

(حاشیۃ المشکوۃ للسھارنپوری صفحہ 381)

یعنی (صحابی کا قول کہ: ''رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کو تراشا کرتے تھے'' یہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول کہ: ''داڑھیاں بڑھاؤ'' کے منافی نہیں ہے کیونکہ جس کاٹنے سے روکا گیا ہے وہ عجمیوں کی طرح کاٹنا ہے۔۔۔۔ اور ''بڑھانے'' کا مطلب: عجمیوں سے وافر کرنا ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور فقط کناروں سے داڑھی کو تراش لینا یہ اسے مشت سے کم کرنا نہیں ہوتا)۔

(15)۔

شارح مشکوۃ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی لکھتے ہیں کہ: ''(رسول اللہ ﷺ داڑھی مبارک کے ہر طرف سے بڑھے ہوئے بال کتر کر برابر کرتے تھے اور یہ اعفاء اور توفیر کے منافی نہیں جس کا حکم احادیث میں وارد ہوا ہے کیونکہ ممانعت تو اس بات کی ہے کہ: اہلِ عجم کی طرح داڑھی کو چھوٹا مت کرو اور طول وعرض سے زیادہ

لمبے بالوں کا آگے سے کاٹ دینا اس کے منافی نہیں کیونکہ یہ اصلاح کیلئے ہے اور یہ آپ ﷺ سے منقول ہے)''۔

(مظاہرِ حق لقطب الدین الدھلوی (مترجم) جلد4 صفحہ 234)

(16)۔

اسی طرح تمہاری مستند کتاب''فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری''میں ہے کہ:

''**یحمل النھی علی الاستیصال او ماقاربہ، بخلاف الاخذ المذکور**''یعنی (داڑھی کٹانے کی ممانعت کو جڑ سے اکھیڑنے یا کاٹ کر اس کے قریب کر دینے پر ہی محمول کیا جائے گا،لیکن مذکورہ تراشنے والے فعل پر نہیں)۔

(فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری جلد1 صفحہ 229)

لہذا اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ: داڑھی کے زائد بالوں کو قطع کرنے والی روایت ''**اعفوا اللحی**'' سے متعارض نہیں تو پھر اسے محض تمہارے خیال وقیاسِ فاسد کی وجہ سے کیونکر چھوڑ دیا جائے حالانکہ احناف تو بحمدہ تعالیٰ قبولیتِ حدیث کے معاملے میں دوسرے تمام گروہوں سے''ممتاز مع الشرف'' ہیں کہ: احناف کے نزدیک حدیث کو قیاس پر ترجیح ہوتی ہے اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو؟ اور یہاں پر اس روایت کا ضعف استدلال کو کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ''**اعفوا اللحی**'' میں جس کاٹنے سے منع کیا گیا ہے وہ بقدرِ قبضہ نہیں بلکہ مونڈنا یا مشت سے بھی چھوٹا کر دینا ہے چنانچہ اسی لئے!

(i)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ:''**لا یجوز حلقھا ولا نتفھا ولا قص**

الکثیر منھا ’’یعنی (داڑھی کو نہ ہی مونڈ نا جائز اور نہ ہی اکھیڑنا اور نہ ہی حد سے زیادہ تراشنا جائز)۔

(المفخم لما اشکل من تلخیص مسلم للقرطبی جلد 1 صفحہ 512)

(اتحاف السادۃ المتقین جلد 2 صفحہ 419)

(ii)۔

اسی طرح الشیخ یعقوب بن سید علی البروسوی لکھتے ہیں کہ:’’**(واعفاء اللحیۃ) ای تکثیرھا والمراد منہ عدم المبالغۃ فی الجز**‘‘ یعنی (داڑھی کو زیادہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ: کاٹنے میں مبالغہ نہ کیا جائے)۔

(مفاتیح الجنان للبروسوی صفحہ 361،362)

رد چنانچہ اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ: تم ثابت کرو کہ داڑھیاں بڑھانے کا حکم ان مشرکوں یا یہود و نصاریٰ اور یا پھر اُن مجوسیوں کے خلاف ہے جو اپنی داڑھیاں ایک مشت رکھ کر بقیہ کاٹ دیتے تھے یعنی زائد ہونے پر کاٹ دیا کرتے تھے جس کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو کہ: مشرکین یا یہود و نصاریٰ یا مجوسیوں کی اس فعل میں مخالفت کرو اور خبردار کوئی مشت پر بھی داڑھی نہ کاٹے بلکہ داڑھیاں جہاں جاتی ہیں جانے دو، خواہ ناف یا اس سے بھی نیچے۔

تعجب ہے! کہ: ایک طرف تو تم لوگ ہمارے بھولے بھالے عوام کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے یہ کہہ کر منع کرتے رہتے ہو کہ: ناف کے نیچے شرمگاہ ہے نماز میں ہاتھ اس جگہ نہیں باندھنا چاہیے اور دوسری طرف داڑھیوں کو وہاں تک بڑھانے پر فتوی دے رہے ہو۔

چنانچہ تمہیں یہ بھی ثابت کرنا چاہیے کہ: رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مذکورہ بالا فعل کی وجہ سے اپنی ریش مبارک بھی ناف تک بڑھائی تھی ''**ان لم تفعلوا ولن تفعلوا** '' تو کم از کم اتنا ہی سوچ لو کہ کیا خواہ مخواہ ''**اعفوا اللحی** '' والی روایت کو ایک مشت داڑھی پر جبراً مسلط کر دینا حدیثِ رسول ﷺ کے ساتھ من مانی نہیں؟ پھر بھلا ''**من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار**'' اور کہاں صادق آئے؟

حق تو یہ ہے کہ: ''**اخذِ لحیہ** '' ان کفار کے خلاف ہے جو اپنی داڑھیاں اتنی بڑھاتے کہ: قبیح اور بھیانک صورت نمودار ہو جاتی اور ''**اعفاء لحیہ** '' کا حکم ان کفار کے خلاف ہے جو داڑھیاں سرے سے ہی مونڈ کر صنفِ زنان خانہ میں شامل ہو جاتے ہیں یا پھر داڑھی کے نت نئے ڈیزائن بناتے پھرتے ہیں، چنانچہ!

(1)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ: ''**جاء رجل من المجوس الی رسول اللّٰہ** ﷺ **وحلق لحیته واطال شاربه فقال له النبی** ﷺ: **ماھذا؟ قال: ھذا فی دیننا ، قال: فی دیننا ان نجز الشارب وان نعفی اللحیة** '' یعنی (ایک مجوسی آدمی، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جسکی داڑھی مُنڈی ہوئی اور مونچھیں لمبی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ بولا: یہ ہمارے دین کی علامت ہے، فرمایا: اور ہمارے دین کی علامت یہ ہے کہ: ہم مونچھیں کاٹتے اور داڑھیاں بڑھاتے ہیں)۔

(مصنف ابن ابی شیبة جلد6 صفحه110)

(2)۔

نیزغنیہ ذوی الاحکام ،بحر الرائق، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،در مختار مع رد المحتار اور فتح القدیروغیرھامیں ہے کہ:''الاخذ منھا وھی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربتہ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل مجوس الاعاجم والیہود والھنود بعض اجناس الافرنج'' یعنی (داڑھی کو اس حد تک تراشنا یا کترنا کہ وہ مشت سے کم ہوجائے ناجائز ہے جیسا کہ: بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہیجڑے کرتے ہیں یہ کسی کیلئے بھی جائز نہیں اور سب لے لینا مجوسی، یہودی، ہندو اور بعض فرنگیوں کا فعل ہے)۔

(درالمختار مع ردالمحتار جلد3صفحہ456، 457)

(غنیۃ ذوی الحکام جلد1 صفحہ208)

(بحرالرائق لابن نجیم جلد2صفحہ280)

(حاشیۃ علی المراقی للطحطاوی صفحہ372)

(فتح القدیر لابن الھمام جلد2صفحہ270)

(3)۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ:''والاعاجم یقصون لحاھم و یوفرون شواربھم او یوفرونھما معاً'' یعنی(عجمی لوگ اپنی داڑھیوں کو مشت سے بھی چھوٹا کرتے اور مونچھوں کو بڑھا دیتے ہیں یا پھر دونوں ہی کو بہت زیادہ لمبا کردیتے ہیں)

(تفسیرلاحکام القرآن للقرطبی جلد2صفحہ104)

(4)۔

”**احیاء العلوم** “ اور”**قوت القلوب**“ میں ہے کہ: ”

(تقصیصھا کالتعبیۃ طاقۃ علی طاقۃ للتزین للنساء والتصنع)وعن کعب وابی الجلدوصفاقوما یکونون فی آخر الزمان یقصون لحاھم کذنب الحمامۃ و یعرقفون نعالھم کالمناجل اولئک لااخلاق لھم “یعنی (اس خیال سے داڑھی کاٹ کر چھوٹی کرنا کہ عورتوں کی نظروں میں خوبصورت لگے، چنانچہ اس بارے میں)حضرت کعب احبار اور ابوالجلد سے روایت ہے کہ: آخری زمانے میں کچھ لوگوں کی عادت یہ ہوگی کہ وہ اپنی داڑھیوں کو اس طرح کاٹیں گے جیسے کبوتری کی دُم ہو اور اپنی جوتیوں کو اس طرح نوکیلا بنائیں گے جس طرح درانتیاں ہوں ایسے لوگوں کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2صفحہ242)

(احیاء العلوم للغزالی جلد1صفحہ168)

(5)۔

چنانچہ اسی کی تائید میں تمہارے معتبر”فتاویٰ ثنائیہ“ جلد2صفحہ 138میں یوں کہا گیاہے کہ:”حاصل یہ کہ: سلف صالح جمہور صحابہ وتابعین وائمہ محدثین کے نزدیک ایک مشت تک داڑھی کو بڑھنے دینا حلق وقصر وغیرہ سے اس کا تعارض نہ کرنا واجب ہے کہ اس میں اتباعِ سنت اور مشرکوں کی مخالفت ہے اور ایک مشت سے زائد

کی اصلاح جائز ہے اور بافراط شعر لحیہ وتشوہِ وجہ وصورت وتشبہ بہ بعض اقوام مشرکین، ہندو وسادھو وسکھ وغیرہ جن کا شعار باوجود افراط شعر لحیہ عدمِ اخذ ہے قبضہ سے زائد کی اصلاح واجب ہے ورنہ مشرکوں کی موافقت سے خلافِ سنت بلکہ بدعت ثابت ہوگی جس کا سلف صالحین میں سے کوئی بھی قائل نہیں''۔

ثابت ہوا کہ: اسلام نے ہمیں میانہ روی کا وہ راستہ بتایا ہے جس سے کفار کے کسی بھی ٹولے سے ہمارا کوئی تعلق نہ رہے اور چہرے کے حسن میں بھی اضافہ ہوتا ہو، اور وہ ایک مشت داڑھی میں ہی ہے۔

لطیف نکتہ:۔

تمہارے ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ 138 کی روشنی میں داڑھی کے زوائد تراشنا دراصل حدیث اعفاء پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ ہے چنانچہ لکھا ہے کہ: ''اور یہ بھی واضح ہو کہ: حدیث نبوی ! ''**انھکوا الشوارب واعفوا اللحی وخالفوا المشرکین**'' جب تک کہ: حدیث کے تینوں جملوں پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے گا اتباعِ سنت اور مشرکین کی مخالفت نہ ہوگی مثلاً اگر کوئی مونچھوں کو حذف کردے اور اعفاء لحیہ نہ کرے یا کرے مگر باوجود **افراط شعرِ لحیہ وتشوہ وجہ وتشبہ بہ بعض مشرکین** مذکورہ بالا اس کی اصلاح نہ کرے تو حدیث کے جملہ ''**خالفوا المشرکین**'' پر عمل نہ ہوگا اس لئے کہ: ''**خالفوا المشرکین**'' کا الف لام استغراقی ہے کہ: مشرکوں کی ہر نوع وہر حیثیت سے مخالفت کاملہ واجب ہے اور وہ مخالفت قطعِ شوارب سے ہو یا اعفاء لحیہ

سے ہو یا باوجود افراطِ شعرلحیہ عدمِ اصلاحِ شعرِلحیہ سے ہواور اگران شقوق میں سے
کوئی شق باقی یا ناقص رہ گئی تو مخالفت کاملہ نہ ہوگی لہذا اتباع سنت بھی نہ ہوگا ، ورنہ
داڑھی مونچھیں منڈانے والوں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ: ''**انھکوا الشوارب**'' پرعمل ہوکر اتباعِ سنت ومخالفت مشرکوں کی ہوگئی''**ولا قائل به احد من علماء الاسلام**''پس افراطِ شعرکی صورت میں قبضہ سے زائد کی
اصلاح واجب ہے''۔

(فصل)

ریشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تک تھی؟

چنانچہ عین ممکن ہے کہ: جوشِ جہالت میں کوئی ہم پر یہ اعتراض کردے کہ: آپ ایک مشت کا نعرہ لگارہے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کے بارے میں صحیح حدیث میں ''سینہ تک'' کے الفاظ روایت کئے گئے ہیں نیز قاضی عیاض مالکی نے بھی شفاء شریف میں روایت کیا ہے کہ: ''**کث اللحیۃ تملأ صدرہ**''یعنی (رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک اتنی گھنی ہوتی تھی کہ: سینہ مبارک کو بھردیتی تھی)، چنانچہ ثابت ہوا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے ریش مبارک کے بال مبارک ایک مشت سے زائد تھے جو سینہ مبارک کو ڈھانپ لیتے تھے۔

تو میں کہتا ہوں کہ: حدیث میں ''**تملأ صدرہ**'' اور'' **ملأت نحرہ**'' دونوں طرح کے الفاظ وارد ہیں اور'' **نحر**'' والی روایت تو خودتمہارے مجہول مفتی نے بھی اپنے فتوٰی میں بیان کی اور اس سے استدلال بھی کیا جس سے اس حدیث کے تمہارے نزدیک مستدل بہ ہونے کی بھی دلیل حاصل ہے چنانچہ ''**صدر**''ہو یا ''**نحر**''اس میں بھی کوئی تضادنہیں بلکہ ''صدر'' کی تفسیر ''نحر'' ہے اور ''نحر'' سے ائمہ لغت اور محدّثین کے ہاں کیا مراد ہوتی ہے؟ اس کی وضاحت بھی جمہور علماء نے اپنی کتب میں اچھی طرح کردی، چنانچہ!

(1)۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ: ''**النحر: موضع القلادۃ من الصدرونحرتہ : اصبت نحرہ و منہ نحر البعیر**'' یعنی (''**نحر**'' : سینہ کے(اوپر) ہار ڈالنے کے مقام کو کہتے ہیں جیسے (کوئی کہے) کہ: ''**نحرتہ**''یعنی میں اس کے گلے تک پہنچا اور اسی سے اونٹ کو نحر کرنا بھی مشتق

ہے)۔

(المفردات فی غریب القرآن للاصفھانی صفحہ 487)

(2)۔

علامہ ابن منظور فرماتے ہیں کہ: ''**النحر :الصدر، والنحور: الصدور، ابن سیدہ: نحر الصدر اعلاہ ، وقیل : ھو موضع القلادۃ منہ ۔۔۔۔۔۔۔و نحر البعیر ینحرہ نحرا : طعنہ فی منحرہ حیث یبدو الحلقوم من اعلی الصدر**''۔

(لسان العرب لابن منظور جلد3 صفحہ 763)

یعنی (''نحر'' سے مراد سینہ ہے اور ''نحور'' (جمع) سے مراد سینے ہیں اور علامہ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ: ''نحر'': سینے کے اوپری حصے کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ: نحر: ہار ڈالنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔۔۔۔۔اور اونٹ کے نحر سے مراد اونٹ کو ذبح کرنا ہوتا ہے یعنی اونٹ کے سینہ کے اوپری حصے پر وار کرنا جو حلق سے ظاہر ہوتا ہے ''نحر'' کہلاتا ہے)۔

(3)۔

امام قاضی عیاض المالکی فرماتے ہیں کہ: ''**النحر معلوم ، وھو مجتمع التراقی فی اعلی الصدر**'' یعنی (''نحر'' اپنی مراد میں معروف لفظ ہے اور یہ سینے کے اوپر (گلے میں) تعویز کے باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں)۔

(مشارق الانوار علی صحاح الآثار لعیاض مالکی جلد2 صفحہ 10)

(4)۔

علامہ شیخ اللغۃ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی فرماتے ہیں کہ: ”**نحر: نحر الصدر: اعلاہ، وقیل النحر: ھو الصدر بنفسہ، ۔۔۔۔ او النحر: موضع القلادۃ من الصدر، ۔۔۔۔ نحر البعیر ینحرہ نحرا: طعنہ فی منحرہ حیث یبدو الحلقوم من اعلی الصدر**“۔

(تاج العروس من جواھر القاموس جلد 14 صفحہ 100)

یعنی (”نحر“ سے مراد سینہ کا نحر ہے یعنی اس کا اوپری حصہ، اور بعض نے کہا ہے کہ ”نحر“ سے مراد بذاتِ خود سینہ ہی ہوتا ہے، ۔۔۔۔۔ یا پھر ”نحر“ سے مراد سینہ (کے اوپر) ہار ڈالنے کی جگہ ہوتی ہے، ۔۔۔۔۔ اونٹ کے ”نحر“ سے مراد اونٹ کو ذبح کرنا یعنی اونٹ کے سینہ کے اوپری حصے پر وار کرنا جو حلق سے ظاہر ہوتا ہے)۔

(5)۔

الشیخ شھاب الدین الخفاجی نے یوں تحریر فرمایا کہ: ”**قولھم ”قد ملأت نحرہ“ ونحر الصدر اعلاہ او موضع القلادۃ منہ فمراد المصنف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ اعلی الصدر والا لطالت وقد ثبت قصرھا وقیل المراد انھا تملأ ما یقابل الصدر بھا فاستوت طولا وعرضا والحاصل من ذالک ان لحیتہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم معتدلۃ طولا وعرضا غیر خفیفۃ**“۔

(نسیم الریاض للخفاجی جلد 1 صفحہ 331)

یعنی (قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللّٰہ علیہ کا قول: ”**قد ملأت نحرہ**“ اور ”نحر“ سینے

کے اوپری حصے کو کہتے ہیں یا گلے کے اس حصے کو جہاں ہارڈالا جاتا ہے چنانچہ مصنف (قاضی عیاض مالکی) علیہ الرحمۃ کی مراد بھی سینہ کا اوپری حصہ ہی ہے ورنہ تو داڑھی کو لمبا ماننا پڑے گا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کا (ایک مشت تک) قصیر ہونا ثابت ہے، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک چوڑائی اور لمبائی میں (زیادہ نہیں بلکہ) فقط سینہ مبارک کے مقابل تک ہی رہتی تھی بہر حال: حاصلِ کلام یہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک لمبائی اور چوڑائی میں بالکل ہلکی بھی نہیں تھی بلکہ میانہ روی پر ہی تھی)۔

(6)۔

امام ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ: ”**(تملأ صدره) اى مايقابلها مع قصر فيها وانبساط اذ كان يأخذ منها ما زاد على القبضةوربما كان يأخذ من اطرافه ايضاوالحاصل انه لم يكن كوسج ولا خفيف اللحية ولا مقصوصها غيرنازلةالى صدره**“۔

(شرح الشفاءلملاعلی القاری جلد1صفحہ160)

یعنی ((**تملأصدره**) سے مراد یہ ہے کہ: ریش مبارک زیادہ قصیر نہ تھی بلکہ سینہ مبارک کے مقابل تھی اور وہ بھی صرف اتنی کہ: جب آپ ﷺ ریش مبارک کو پکڑتے تو مشت سے زائد نہیں ہوتی تھی کیونکہ کبھی کبھار آپ ﷺ اپنی ریش مبارک کو اطراف سے تراش بھی لیا کرتے تھے اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ: نہ تو آپ ﷺ بیحد لمبی داڑھی والے تھے اور نہ ہی زیادہ چھوٹی داڑھی والے اور نہ ہی اتنی کٹی

داڑھی والے کہ جو سینہ مبارک تک بھی نہ پہنچے)۔

(7)۔

علامہ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ: ’’**عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ احسن الناس قواما واحسن الناس وجها واطیب الناس ریحا والین الناس کفا وکانت لہ جمۃ الی شحمۃ اذنیہ وکانت لحیتہ قد ملأت من ھھنا الی ھھنا وامر یدیہ علی عارضیہ**‘‘۔

(تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر جلد 1)

یعنی (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے جسم پاک کی بناوٹ تمام جہان سے بہتر، چہرہ تمام عالم سے خوب تر، مہک سارے زمانے سے خوشبوتر، ہتھیلیاں سب لوگوں سے نرم تر، بال کانوں کی لوتک اور ریش مبارک یہاں سے یہاں تک بھری ہوئی تھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے رخساروں پر اشارہ کر کے بتایا)۔

چنانچہ ان تمام تصریحات کی رُو سے اب مذکورہ بالا حدیث کا معنیٰ یہ ہوا کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک آپ کے ’’نحر‘‘ یعنی سینہ مبارک کے بالائی حصہ کو ڈھانپ لیتی تھی جس سے ثابت ہوا کہ: رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک سینہ کے بالائی حصے تک ہی تھی جس کی مقدار ایک مشت سے زائد نہیں تھی اسی لئے تو امام ملا علی القاری ’’**جمع الوسائل شرح الشمائل**‘‘ جلد 1 صفحہ نمبر 45 میں لکھتے ہیں کہ: ’’**ان عظیم اللحیۃ بلا طول غیر مستحسن عرفا فان کان الطول**

الزائد بان تکون زیادۃ علی القبضۃ فغیر ممدوح شرعا ‘‘

یعنی داڑھی کا عظیم ہونا لمبائی کے بغیر عرف میں اچھا نہیں لیکن اگر یہ لمبائی ایک مشت سے بھی زیادہ ہوجائے تو وہ شرعی طور پر قابلِ تعریف نہیں رہتی۔

(فصل)

اخذِ لحیہ میں کوئی شرعی حرج نہیں

علماءِ حق کی تحریروں کے مطابق داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کو کاٹ دینے میں شرع شریف کا کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے پھر اس پر اتنا شور کیوں؟ چنانچہ!

(1)۔

''**رد المحتار**''میں ہے کہ:''**وفی شرح الشیخ اسماعیل: لا بأس بان یقبض علی لحیتہ ، فاذا علی قبضتہ شیء جزہ کما فی المنیۃ، وھو سنۃ کما فی المبتغی، وفی المجتبی والینابیع وغیرھما :لا بأس باخذ اطراف اللحیۃ اذاطالت**''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد3صفحہ456)

یعنی (شیخ اسماعیل کی شرح میں ہے کہ: داڑھی کو مشت میں پکڑ کر زائد کو کاٹ دینے میں کوئی نقصان نہیں ہے جیسا کہ''**منیہ**''میں بھی لکھا ہوا ہے، اور ایسا کرنا سنت بھی ہے جیسا کہ''**المبتغی**''میں لکھا ہے، اور''**المجتبیٰ، الینابیع**''اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ: داڑھی جب زیادہ لمبی ہو جائے تو اس کے اطراف سے تراش لینے میں کوئی نقصان نہیں)۔

(2)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:''**من الملتقط : لا بأس اذا طالت لحیتہ طولا وعرضا لکنہ مقید بما اذا زاد علی القبضۃ**''یعنی (''الملتقط''میں ہے کہ: جب داڑھی طول وعرض میں بڑھ جائے تو ایک مشت سے زائد کاٹ دینے سے شرع میں کوئی حرج نہیں)۔

(فتاویٰ ہندیہ المعروف عالمگیری جلد5 صفحہ358)

(3،4،5)۔

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی ، امام ملا علی القاری اور علامہ الشیخ البروسوی لکھتے ہیں کہ: ”**ان قبض الرجل علی لحیته واخذ ما تحت القبضة فلا بأس به ۔۔۔۔ فان الطول المفرط یشوه الخلقة ویطلق السنة المغتابین بالنسبة الیه فلا بأس للاحتراز عنه علی هذه النیة**“۔

(احیاء العلوم للغزالی جلد1 صفحہ166)

(مرقاۃ المفاتیح لملا علی القاری جلد8 صفحہ285)

(مفاتیح الجنان للبروسوی صفحہ362)

یعنی (اگر کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے زائد بالوں کو تراش دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ داڑھی کا بے جا لمبا ہونا چہرے کو بگاڑتا ہے اور اس کی نسبت کئی لوگوں کی زبانیں دراز کرتا ہے چنانچہ اس نیت سے بھی قباحتوں سے بچتے ہوئے داڑھی کے زائد بالوں کو کاٹ دینے میں شرع شریف کا کوئی حرج نہیں)۔

نوٹ:۔

اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں: جب ”اخذِ لحیہ“ میں شرعاً کوئی حرج بھی نہیں تو پھر انکار کا بکھیڑا کھڑا کرنے کا کیا مطلب؟ اور پھر سابق الذکر ”عمرو بن شعیب“ والی روایت کو ”عمر بن ہارون“ کے ضعف کی وجہ سے رد کر دینے کی کیا وجہ؟ خوب جان لینا چاہیے کہ اللہ کی ذات پاک اور بے نیاز ہے! عمرو بن شعیب کی اسی ایک

حدیث سے استدلال پر جمہور علماء کرام کی متعدد سابقہ تصریحات وارد ہوئیں، حالانکہ ''عمر بن ہارون'' کے بارے میں امام ترمذی خود فرماتے ہیں کہ: امام بخاری کو میں نے ''عمر بن ہارون'' کے بارے میں ''**حسن الرأی**'' پایا، لیکن چونکہ دیگر علماء نے ضعف بیان کیا ہے لہذا ترجیحِ ضعف کی صورت میں بھی خود علماء جمہور کے نزدیک یہ ضعف ''استدلال'' کو کچھ بھی مضر نہیں ، جیسا کہ تصریحاتِ وافرہ سے ثابت ہو چکا، معلوم ہوا کہ: ہر ضعیف حدیث کو یونہی رد کر دینا جمہور علماء کا طریقہ نہیں خاص کر جب اس کے حق میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل بھی مثبت وشاہد ہو۔

اور تو اور سابق میں تمہارے اپنے علماء کی گواہی سے ثابت ہو چکا ہے کہ: ضعیف حدیث جس پر صحابہ کا عمل بھی شاہد ہو اور اس کے بالمقابل کوئی صحیح حدیث بھی نہ ہو اور وہ حدیث موضوع بھی نہ ہو تو حدیث قابلِ عمل ہوتی ہے اسے یونہی فقط اپنے قیاسِ فاسد سے رد کر دینا انصاف نہیں۔

(فصل)

سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو
اخذِ لحیہ کا حکمِ نبوی ﷺ

”ابو حنیفۃ عن الھیثم عن رجل : ان ابا قحافۃ اتی النبی ﷺ ولحیتہ قد انتشرت، قال فقال: لو اخذتم، واشار بیدہ الی نواحی لحیتہ“ یعنی (امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ”ہیثم“ سے روایت کرتے ہیں اور وہ کسی شخص سے، کہ: بلاشبہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (فتح مکہ کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے انکی داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے (راوی) فرماتے ہیں کہ: یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کاش کہ: تم انہیں کاٹ لیتے اور آپ ﷺ نے داڑھی کے اردگرد کے بالوں کی طرف اشارہ فرمایا)۔

(جامع المسانید للخوارزمی جلد2 صفحہ 446 رقم1697)

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف جلد2 صفحہ699 رقم989)

(مسند الامام الاعظم ابی حنیفۃ للحصکفی صفحہ205)

(شرح مسند الامام الاعظم لملا علی القاری صفحہ423)

(مسند الامام الاعظم ابی حنیفۃ للحارثی صفحہ 231 رقم666)

چنانچہ ہم نے اس روایت کی سند میں ”رجل“ سے مراد احتمالاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بیان کیا تھا جس کی 2 وجہیں تھیں!

(ا)۔

یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے اور فتح مکہ کے اس وقعہ میں حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لائے جانے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اپنی داڑھی کی اصلاح کرنے کے حکم والی دوسری روایات میں سے اکثر کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ مسندِ احمد، مسندِ ابی یعلیٰ، صحیح ابن حبان وغیرہ میں

ہے یہی وجہ ہے کہ: ہم نے ''رجل'' کے ابہام کو دور کرنے کیلئے اس جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام احتمالاً درج کر دیا۔

(۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں شامل ہیں جن کی زیارت سے ہمارے امام ''امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ'' بھی مشرف ہوئے ہیں تو جب آپ کا زیارت کرنا علماء کے ہاں ثابت ہے تو آپ کے استاذ ''ہیثم'' کی ملاقات وسماع بھی یقینی طور پر ثابت ہوگی۔

چنانچہ انہی دو وجہوں سے ہم نے ''رجل'' کی جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام مبارک درج کیا، لیکن اگر تمہیں اس سے بھی پریشانی ہے تو لفظ ''رجل'' کے ابہام کو امام شعرانی کی ''**کشف الغمہ**'' کے حوالے سے بھی دور کیا جا سکتا ہے چنانچہ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ!

''وکان ابن عمر رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لحیۃ رجل طویلۃ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لو اخذتم واشار بیدہ الی نواحی لحیتہ قال: وامر بذالک فی لحیۃ ابی قحافۃ والد ابی بکر رضی اللہ عنہما''۔

(کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للشعرانی حصہ 1 صفحہ 50)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لمبی داڑھی والے ایک شخص کو دیکھا تو فرمایا: کاش تم (طول وعرض سے) اسے کاٹ لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے داڑھی کے اردگرد کی جانب اشارہ فرمایا،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کے بارے میں یہ حکم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کودیا تھا۔

لوبھئی! اگر تمہیں لگتا ہے کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نام سے ابہام دور نہیں ہوسکتا توتم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس ابہام کو دور کرلو، چونکہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات 73ھ میں ہوئی لہذا اس اعتبار سے ''الہیثم'' کی ان سے ملاقات والے احتمال کو بھی مزید تقویت ملتی ہے، لیکن اگر تم پھر بھی ''رجل'' کے ابہام کو ہی قابلِ تنقید سمجھتے ہو جیسا کہ تم نے اپنے فتویٰ میں اس مذکورہ بالا حدیث کی سند میں پائے جانے والے مبہم راوی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ: ''مجہول راوی کی روایت نا قابلِ قبول ہوتی ہے''۔

پھر تمہاری جانب سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ: ''مسانیدِ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی کوئی صحیح یا حسن سند پیش کی جائے''۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: تمہارا مجہول راوی کی روایت کو تمام محدثین کے نزدیک نا قابلِ قبول بیان کرنا کلیتاً صحیح نہیں، کیونکہ مجہول راوی کی روایت کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں خود جمہور علماء کا اختلاف ہے چنانچہ کچھ علماء علی الاطلاق ''مجہول'' کی روایت قبول نہیں کرتے لیکن کچھ علماء مجہول کی روایت کو چند شرطوں کے ساتھ قابلِ قبول سمجھتے ہیں جیسا کہ: الامام العلامہ الشیخ عبدالوہاب الشعرانی الشافعی ''**المیزان الکبریٰ**'' جلد 1 فصل ثالث میں فرماتے ہیں کہ: (ترجمہ):۔

''جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ: تمام مستور راویوں کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا ہی

بہتر ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ: محض کسی راوی میں کلام کرنا اس کی روایت کردہ حدیث کو اعتبار سے خارج نہیں کرسکتا''۔۔۔انتہی۔

چنانچہ امام الائمہ ''امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ'' ایسے مجہول راوی کی روایت کو قبول فرما لیتے ہیں جس کا تعلق قرونِ ثلاثہ اولیٰ سے ہو ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی ''مجہول مطلق'' مقبول نہیں، لہذا مذکورہ بالا حدیث میں موجود راوی ''ہیثم'' نے جس شخص ''رجل'' سے روایت کیا ہے اس کا تعلق بھی بالاتفاق قرونِ ثلاثہ سے ہی ہے لیکن اب حتمی طور پر معلوم نہیں کہ: وہ مبہم شخص صحابی ہے یا نہیں؟، لیکن اگر وہ شخصیت صحابی کی ہے تو تمام علماء کے نزدیک مبہم صحابی کی روایت قابلِ قبول ہے کیونکہ ''**الصحابة كلهم عدول**'' یعنی (تمام صحابہ عادل ہیں)، پھر تو سرے سے اعتراض ہی نہیں رہتا، لیکن اگر وہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے تو بھی قرونِ ثلاثہ سے تعلق کی وجہ سے ہمارے امام صاحب کے نزدیک وہ قابلِ قبول ہی رہے گا لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: اگر وہ تابعی ہے تو اس نے اس واقعہ کو جس عینی شاہد سے سنا ہے وہ یقیناً صحابی تھے لیکن پھر یہ معلوم نہیں کہ وہ صحابی کون تھے؟، چنانچہ اس صورت میں یہ روایت مرسل کہلائے گی چونکہ مرسل روایت کو بعض علماء کی ایک جماعت نے غیر مقبول قرار دیا ہے لیکن ہمارے امام صاحب کے نزدیک مرسل روایت بھی بالشرط مقبول ہے جسے خطیب بغدادی نے الکفایہ میں بیان کیا ہے۔

نیز حدیث مرسل کے مقبول ہونے کے حوالے سے تمہارے معتبر ''فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری'' جلد 2 صفحہ نمبر 415 میں امام شافعی کی چند شرطیں تحریر کی ہیں لکھا ہے کہ:

''**قال الشافعي: واحتج بمرسل كبائر التابعين اذا اسند من**

جهة اخرى او ارسله من اخذ عن غير رجال الاول، او وافق قوله الصحابي او افتى اكثر العلماء بمقتضاه، الخ (قواعد التحديث ١٢٠)''۔

یعنی امام شافعی فرماتے ہیں کہ: کبار تابعین کی مرسل بھی چند وجھوں سے قابلِ استدلال ہے، جب وہ روایت دوسرے طریقے سے بھی ثابت ہوجائے یا پہلے رجال کے علاوہ دیگر حضرات سے بھی مرسل روایت کردی جائے، یا کسی صحابی کا قول بھی اس کی موافقت میں ہو، یا پھر اس کے معنیٰ ومفہوم پر اکثر علماء کا فتوٰی وارد ہو۔

غور کرو! امام شافعی جو مرسل کے انکارِ حجیت میں مشہور ہیں وہ بھی چند شرائط کے ساتھ مرسل کو حجت مان لیتے تھے اور جن شرائط کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے آخری دو شرطیں تو یہاں بدرجہء اتم پائی جارہی ہیں پھر یہاں قبولِ مرسل میں پس وپیش کیوں؟ اس صورت میں بھی اعتراض نہیں رہتا۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ: پھر بھی پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کہ ''رجل'' سے مراد ''صحابی'' ہیں کیونکہ جس ''ہیثم'' سے امام صاحب نے روایت کیا ہے ان کا پورا نام ''ہیثم بن حبیب صیرفی کوفی'' ہے جن کے بارے میں شعبہ بن حجاج، امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، ابوذرع اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ: یہ ثقہ ہیں، ابن حبان نے انہیں ''ثقات'' کے مرتبہ'' اتباع التابعین'' میں شمار کیا ہے۔

حالانکہ ''**تنسیق النظام**'' صفحہ نمبر 88 میں ہے کہ: امام ملا علی القاری نے انہیں ''جلیل القدر تابعین'' میں شمار کیا ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ جب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا تابعی ہونا جمہور علماء میں مشہور ومنظور ہے تو آپ کے شیخ ''ہیثم بن

حبیب صیرفی'' کوتابعین سے ہٹا کر تبع تابعین میں شمار کرنا علامہ ابن حبان پر محلِ تعجب نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر جب ان کا تابعی ہونا ہی راجح اور زیادہ قرینِ قیاس ہے تو ان کا اس واقعہ کے عینی شاہد صحابی سے اس روایت کوسننا لازم آیا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو داڑھی تراشنے کا حکم دیتے ہوئے ملاحظہ کیا۔

اور وہ راوی یا تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہونگے جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا یا پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسا کہ امام شعرانی نے روایت کیا اور یا پھر کوئی اور راوی، چنانچہ الحمدللہ دریں اثناء سارے اعتراضات ختم ہوجاتے ہیں، لہذا اب تو یہ حدیث بھی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شرائط کے مطابق صحیح قرار پائی۔

میں کہتا ہوں کہ: ائمہ حدیث بھی دو طرح کے تھے! کچھ وہ جو اپنی مقرر کی ہوئی شرطوں کے مطابق حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگاتے اور کچھ وہ جو شرائط میں انہی کی پیروی کرتے۔

اکثر مشہور وکبار ائمہ جیسا کہ اصحابِ صحاح، ان کی بھی اپنی اپنی شرطیں تھیں اور وہ بھی ایک دوسرے سے مختلف، اور دیگر محدثین کی بھی اپنی اپنی اصطلاحیں اور اصول مقرر تھے اس حوالے سے ترمذی، ابن حبان، دارقطنی اور حاکم وغیرھم خاص طور پر مشہور ہیں ، یہی وجہ ہے کہ: بقیہ دیگر متأخرین علماء اصولِ حدیث کے معاملے میں انہیں ائمہ کی تقلید کرتے ہیں پھر تقلید کا یہ شرک تو تمہارے حصے بھی میں آیا چنانچہ اگر انہی کی پیروی میں کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا تم اپنا جذباتی حق سمجھتے ہو تو الحمدللہ ہم تو مقلد بھی اس عظیم وجلیل القدر امام کے ہیں جنہیں امام بخاری وامام مسلم کے شیوخ بھی'' امام

الائمہ‘‘ ’’ابوالفقہا ئ‘‘ تسلیم کرتے رہے، پھر ہم سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شرائطِ قبولیتِ حدیث کوتسلیم کرنے کا بنیادی حق کون چھین سکتا ہے؟

نیز جب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قبولیتِ حدیث کے یہ اصول مقرر فرمائے تو اس وقت کے علم حدیث کے دوسرے ماہرین میں سے کسی نے بھی امام صاحب کے اصولوں پر تنقید و جرح نہیں کی نیز آج تک کسی بھی دور میں تنقید نہ ہوئی لیکن افسوس صد افسوس! امام صاحب کے مرسل سے معاملے کو جس طرح مشہور کر کے بے جا محلِ تنقید بنا دیا گیا ہے حق یہ ہے کہ وہ بھی بہتان عظیم ہے کیونکہ امام صاحب بھی مرسل کو یونہی حجت ماننے کے قائل نہیں بلکہ جمہور کی طرح مرسل کو بالشرائط حجت مانتے ہیں۔

نیز مقامِ افسوس یہ بھی ہے کہ: تم نے شرائطِ ائمہ کا خلط مبحث کر کے اچھی خاصی مقبول حدیثوں پر جرح کر کے وقت برباد کیا ہے جس وجہ سے خواہ مخواہ ایک آسان اور متفق علیہ مسئلہ اختلاف کا شکار ہوا۔

امام بخاری کا اپنے بارے میں کچھ یوں کہنا ہے کہ: ’’مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث اور دو لاکھ ضعیف حدیثیں زبانی یاد ہیں‘‘۔ سوچنے کی بات ہے کہ: اگر کسی حدیث کی سند میں پائے جانے والے ضعف کی وجہ سے حدیث سرے سے ہی غیر مفید ہو جاتی ہے تو جناب امام بخاری کو تقریباً 2 لاکھ ضعیف حدیثیں زبانی یاد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا پڑی تھی؟ کیا محض صحیح احادیث ہی یاد کرنے سے حکمِ ضعف پر اطلاع ممکن نہ تھی؟ اور پھر طُرفہ یہ کہ: امام بخاری کے قول کے مطابق ’’صحیح بخاری‘‘ کا انتخاب 1 لاکھ صحیح احادیث سے کیا گیا ہے حالانکہ ائمہ ءفن جانتے ہیں کہ: صحیحین (بخاری و مسلم) میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں لیکن ان تمام کو غیر مقبول کسی نے نہیں کہا بلکہ صحیحین کی

ان احادیث کو بھی علماء بطور دلیل پیش کرنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں، میری حیرانی کی یہی وجہ ہے کہ: وہ کیسا ’’اہل حدیث‘‘ ہے؟ جو مسلّماتِ محدّثین کو بھی تسلیم نہیں کرتا !

اب جانے بھی دو! ذرا فنِ حدیث پر بلکہ فرصت ملے تو خود پر بھی رحم کھانا چاہیے کیونکہ تمہاری جانب سے یہی بے جا تنقید و تضعیف و توضیع کی کشمکش ’’متفق علیہ مسائلِ صریحہ ‘‘میں جمہورِ امت سے اختلاف کا باعث بنی ہوئی ہے۔خدا سمجھنے کی توفیق دے!

پھر تمہارا مطالبہ یہ بھی تھا کہ: ’’اس روایت کی کوئی صحیح یا حسن سند پیش کردیں‘‘ چونکہ مذکورہ بالا تقریر سے تمہارا اس حدیث کو غیر مقبول قرار دینے کیلئے مجہول اور مرسل والا بہانہ بھی بے کار ثابت ہوگیا، حالانکہ اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کیلئے تو فقط مذکورہ بالا تقریر ہی کافی تھی لیکن شاید اس سے بھی پیٹ نہ بھرے تو چلو مزید ملاحظہ کرلو!

☆۔

’’مسند امام اعظم ابی حنیفہ رضی اللّٰہ عنہ‘‘ کی شرح کرتے ہوئے مجددِ وقت امام ملا علی القاری نے ’’**شرح مسند امام اعظم ابی حنیفہ رضی اللّٰہ عنہ**‘‘ میں اسی حدیث کی سند پر کسی قسم کی کوئی جرح نہیں کی بلکہ اس حدیث کو ثابت رکھتے ہوئے اور قابلِ استدلال جانتے ہوئے یوں فرمادیا کہ: ’’**فالتقدیر: لو اخذتم نواحی لحیتہ طولا وعرضا، وترکتم قدر المستحب، وھو مقدار القبضۃ، وھی الحد المتوسط بین الطرفین المذمومین من ارسالھا مطلقا، و من حلقھا و قصھا علی وجہ استئصالھا،**

عن ابن عمرو ، انہ ﷺ کان یأخذ من لحیتہ ، من عرضھا وطولھا "۔

(شرح مسند الامام الاعظم لملا علی القاری صفحہ 423)

یعنی (اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: کاش کہ تم اس داڑھی کے طول وعرض کے زائد کو تراش لیتے اور مستحب مقدار کو چھوڑ دیتے جو ایک مشت ہے اور یہی دو مذموم طرفوں کے درمیان میانہ روی ہے جن میں سے ایک مطلقاً لٹکائے رکھنا ہے اور دوسری: اسے مونڈ دینا یا اسے کاٹ کر اکھیڑنے کے قریب کر دینا ہے، کیونکہ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے زائد بالوں کو طول وعرض سے تراش لیا کرتے تھے)۔

☆۔

نیز الشیخ العلامہ الامام عبدالوہاب الشعرانی الشافعی فرماتے ہیں کہ: "**وقد من اللّٰہ علی بمطالعۃ مسانید الامام ابی حنیفۃ الثلاثۃ ---فرأیتہ لا یروی حدیثا الا عن اخبار التابعین العدول الثقات الذین ھم من خیر القرون بشھادۃ رسول اللّٰہ ﷺ کالاسود وعلقمہ وعطاء وعکرمۃ و مجاھد و مکحول والحسن البصری واضرابھم رضی اللّٰہ عنھم اجمعین فکل الرواۃ الذین ھم بینہ وبین رسول اللّٰہ ﷺ عدول ثقات اعلام اخیار لیس فیھم کذاب ولا متھم بکذب "۔**

(میزان الکبریٰ للشعرانی جلد 1 صفحہ 68)

یعنی (اللہ تبارک وتعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہوا کہ: میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تینوں مسانید کے نسخوں کا جن پر حفاظ حدیث کے دستخط ہیں ۔۔ ، ان میں غور کر نے سے معلوم ہوا کہ: امام صاحب رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت صرف انہی تابعین سے کرتے ہیں جو عدالت اور ثقاہت میں ممتاز ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی گواہی کے مطابق خیر القرون میں داخل ہیں جن میں مثال کے طور پر: اسود، علقمہ، عطائ، عکرمہ، مجاھد، مکحول، حسن بصری اوران جیسے دیگرا کابر شامل ہیں تو جتنے بھی راوی رسول اللہ ﷺ اور امام صاحب رضی اللہ عنہ کے درمیان میں ہیں سب کے سب ثقہ، عادل اور خیار الناس میں سے ہی ہیں جن میں سے کوئی بھی جھوٹ بولنے والا یا دروغ گوئی کے ساتھ متہم کیا ہوانہیں ہے)۔

☆۔

اسی طرح امام شعرانی اسی مقام پر مزید لکھتے ہیں کہ:

(ترجمہ)''جن راویوں پرامام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت راضی ہےان کی عدالت کےاعتراف میں بھلاتمہیں کیا چیز مانع ہے؟''۔

☆۔

نیز امام شعرانی نے مزید آگےاسی فصل میں یوں بھی فرمایا کہ:

(ترجمہ)''امام صاحب رضی اللہ عنہ کی مسانید میں جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں کیونکہ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں تو امام صاحب رضی اللہ عنہ ان سے کبھی بھی استدلال نہ فرماتے ، نیز امام صاحب رضی اللہ عنہ سے نیچے کی سند میں کسی راوی کا کاذب یا متہم بالکذب ہونا کوئی نقص پیدانہیں کرتا چنانچہ ہمارے لئے اس حدیث کی

صحت کے ثبوت میں یہی کافی ہے کہ امام صاحب یا دیگر ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسے قابلِ استدلال سمجھ کر اس سے استدلال فرمایا ہے"۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ: امام صاحب کا ایک قول اپنے طریقہ استدلال کے بیان میں یوں ہے کہ: "**اذا صح الحدیث فھو مذہبی**" یعنی (جب کوئی حدیث معیارِ صحت پر پوری اتری تو ہی میرا مذہب بنی)۔ سبحان اللہ۔

☆۔

اسی طرح تمہاری مایہ ناز معتبر کتاب "فتاویٰ نذیریہ" جلد 3 صفحہ نمبر 316 میں ہے کہ: "کسی حدیث سے کسی مجتہد کا دلیل پکڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ: وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح وقابلِ استدلال ہے"۔

فائدہ:۔

میں سمجھتا ہوں کہ: اتنے دلائل ایک سلیم الطبع کیلئے اس معاملے میں "**مکتفی بالیقین**" ہیں کہ: مذکورہ بالا حدیث بھی صحیح اور قابلِ استدلال ہے بلکہ امام صاحب کی روایت کردہ تمام احادیث صحیح ہیں اور قابلِ استدلال ہیں البتہ ان روایتوں پر تنقید کرنا صحیح نہیں۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پہ کلامِ نرم ونازک بے اثر۔۔۔

(فصل)

داڑھی تراشنے میں بھی مشرکوں کی مخالفت ہے

شاید تمہیں یاد ہو تم نے اپنے فتویٰ میں ایک حدیث نقل کی تھی جسے تم نے بلاتخصیص ''اعفاءِ لحیہ'' پر دلیل بنایا تھا اب ہم بھی اسی حدیث کو نقل کررہے ہیں لیکن ذرا آنکھیں پھاڑ کر دیکھ لو کہ وہی حدیث لغوی اعتبار سے دراصل اخذِ لحیہ کے جواز کا فائدہ بھی دے رہی ہے چنانچہ:

''عن ابی امامۃ قال قلنا یا رسول اللہ ﷺ ان اھل الکتاب یقصون عثانینھم ویوفرون سبالھم قال فقال النبی قصوا سبالکم ووفروا عثانینکم وخالفوا اھل الکتاب''

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! اہل کتاب داڑھی کو ٹھوڑی کی جانب سے کاٹ ڈالتے ہیں اور بقیہ داڑھی بڑھا لیتے ہیں، فرمایا تم داڑھیوں کے زوائد کو تراشو اور ٹھوڑی پر اگنے والے چھوٹے بالوں کو بڑھاؤ۔

(مسند امام احمد جلد 5 صفحہ 264، 265 رقم 22639)

(کنز العمال للھندی جلد 6 صفحہ 279 رقم 17253)

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی صفحہ 558 رقم 3077)

ہم جانتے ہیں کہ: ہمارا کیا ہوا یہ معنیٰ تمہیں بے حد بے چین کردیگا اسی لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ: اتمامِ حجت کیلئے اس کی وجہ بھی پیش کردیں، چنانچہ! اس روایت میں دو لفظ ''**سبال**'' اور ''**عثانین**'' ہی موضوعِ بحث ہیں جن کی لغوی تحقیق ملاحظہ کرلو! (1)۔

''**السبال**'' جسے لغت میں مونچھ کے معنیٰ میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے

لیکن اس کا استعمال مونچھ کے مقابلے داڑھی کے معنیٰ میں ہونا محدثین واہلِ لغت کی اصطلاح میں زیادہ ہے جیسا کہ!

☆۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: ''**فان السبال ۔۔جمع سبلۃ بفتحتین وھی ما طال من شعر اللحیۃ**'' یعنی (بلا شبہ لفظ ''**السبال**'' ۔۔''**سبلۃ**'' کی جمع ہے سین اور باء کے زبر کے ساتھ اور وہ داڑھی کے بڑھے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں)۔

(فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد10 صفحہ395)

☆۔ علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی فرماتے ہیں کہ: ''**وکانت العرب اہل الجاہلیۃ یسمون اللحیۃ: سبلۃ**'' یعنی (زمانہ جاہلیت میں عرب داڑھی کو ''**سبلہ**'' کہا کرتے تھے)۔

(جامع الآثار لابن ناصر الدمشقی جلد4 صفحہ1887)

☆۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ: ''**وکانت اللحیۃ تدعیٰ فی اول الاسلام سبلۃ**'' یعنی (اسلام کے شروع میں داڑھی کو ''**سبلہ**'' کہا جاتا تھا)۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد1 صفحہ177 رقم148)

☆۔ امام طبرانی اور امام نور الدین الہیثمی فرماتے ہیں کہ: ''**وکانت العرب تسمی اللحیۃ السبلۃ**'' یعنی (عرب لوگ داڑھی کو ''**سبلۃ**'' کہا کرتے تھے)۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد7 صفحہ191 رقم14447)

(مجمع الزوائد للھیثمی جلد8 صفحہ359 رقم14047)

☆۔ نیز ان کے علاوہ ''لسان العرب، القاموس، تاج العروس، مقاییس اللغۃ فقہ اللغۃ، المنجد، المعجم الوسیط اور فیروز اللغات'' وغیرہ میں ''**السبلۃ**'' کو عام طور پر داڑھی کے معنیٰ میں مراد لیا گیا ہے۔

(2)۔

''**عثانین**'' اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ: یہ لفظ ''**عثنون**'' کی جمع ہے اور اس کا استعمال داڑھی کے ان بالوں پر کیا جاتا ہے جو ٹھوڑی پر اُگے ہوتے ہیں جیسا کہ ''لسان العرب، القاموس، تاج العروس، مقاییس اللغہ، المنجد، المعجم الوسیط اور فیروز اللغات'' وغیرہ میں بالکل عام ہے۔

اب وضاحت ملاحظہ کرلو! شرع شریف کے داڑھی کے متعلق احکام اسی طرح مختلف ہیں جس طرح کفار کے مختلف طریقے کیونکہ سارے کفار اپنی داڑھیوں کو محض منڈا کے ہی نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ بعض کافر منڈواتے اور بعض ایک مشت ہونے سے پہلے ہی کٹوادیا کرتے اسی لئے ایسی حالت پر ''**ارخوا**، اور **اترکوا**'' یعنی (اپنی داڑھیاں چھوڑ دو) کا حکم لگایا گیا تاکہ ایسے کافروں کی مخالفت ہو، اسی طرح کفار کے کچھ گروہ اپنی داڑھیوں کو بے حد لمبا بھی کرلیا کرتے تھے جیسا کہ سابق میں جمہور علماء کی توضیحات میں گزر چکا اسی لئے حکمِ شرع میں داڑھی کے ایک مشت سے زوائد تراشنے کو بھی مشروع ٹھہرایا گیا تاکہ ایسے کفار کی بھی مخالفت ہو، اسی طرح کفار میں سے کچھ اپنی داڑھیوں کے نت نئے ڈیزائن بناتے اور دونوں جانب سے کٹوایا منڈوا کے ٹھوڑی کی جانب گدھے یا کبوتری کی دُم کی طرح داڑھی کے بال بڑھا لیا کرتے تو اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ''**اعفوا**'' یعنی اپنی داڑھیاں

پوری کرو کا حکم فرمایا تا کہ ان کفار کی بھی مخالفت ہو، نیز کفار کا ایک گروہ اپنی داڑھیوں کی ایسی حالت کر دیتا کہ دونوں جبڑوں کی جانب سے داڑھیاں زیادہ بڑھا دیتے اور درمیان یعنی ٹھوڑی کی جانب سے کٹوا کر بہت کم کرلیا کرتے جیسا کہ: پرانے انگریزوں میں اس طرح کا حلیہ بہت عام تھا اسی لئے شرع شریف نے ان کے خلاف اس فرمان کو جاری کیا کہ تم دونوں جبڑوں کی جانب سے داڑھی کے مشت سے بڑھے ہوئے بال تراشو اور درمیانے بالوں کو چھوڑ دو تا کہ حدِ شرع کے موافق ہو جائیں اور کفار کی مخالفت ہو۔

چنانچہ یہ ایک بہترین توجیہ ہے جس سے حقیقتِ مسئلہ مزید واضح ہو جاتی ہے، نیز اگر تم اسے تسلیم کر لیتے ہو تو اس میں شرع شریف کا کوئی نقصان نہیں اور اگر نہیں مانتے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

(فصل)

ایک اور شخص کو اخذِ لحیہ کا

حکمِ نبوی ﷺ

(1)۔

’’عن عطاء بن یسار انہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ فی المسجد فدخل رجل ثائر الرأس واللحیۃ ، فاشار الیہ رسول اللّٰہ ﷺ بیدہ ان اخرج فاصلح رأسک و لحیتک ففعل ثم رجع فقال رسول اللّٰہ ﷺ :الیس ھذا خیر من ان احدکم ثائر الرأس کانہ شیطان‘‘۔

(کتاب الآداب للبیہقی صفحہ 222رقم735)

(شعب الایمان للبیہقی جلد5صفحہ225رقم6462)

یعنی (حضرت عطاء بن یسار تابعی فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ: ایک آدمی سر اور داڑھی کے الجھے ہوئے بکھرے بالوں والا داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک کے ساتھ اس کی (داڑھی اور سر کی) طرف اشارہ فرمایا کہ: نکل جاؤ اور اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کی اصلاح (تراش خراش) کرکے آؤ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا یہ حالت اُس حالت سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی اپنے سر کو ایسا کردے جیسے شیطان ہوتا ہے؟)

(2)۔

’’عن جابر بن عبد اللّٰہ قال : رأی النبی ﷺ رجلا مجفل الرأس واللحیۃ فقال: علی ما شوہ احدکم امس ، قال: واشار النبی ﷺ الی لحیتہ ورأسہ یقول: خذ من

لحيتكو رأسك‘‘۔

(شعب الایمان للبیہقی جلد 5 صفحہ 221 رقم 6440)

یعنی (جناب سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے بکھرے ہوئے سر اور بکھری ہوئی داڑھی والے ایک آدمی کو دیکھا تو فرمایا: گزشتہ کل کس چیز نے تمہیں بدشکل کر دیا (راوی) کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے سر اور داڑھی کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا: اپنے سر اور داڑھی کے زائد بکھرے ہوئے بالوں کو تراش لو)۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی ’’ابو ملک عبدالملک بن حسین النخعی‘‘ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کا ضعف استدلال کو کچھ بھی مضر نہیں، جس کی وجہ سابق میں اپنی اور تمہاری کتب سے اچھی طرح بیان کر دی گئی ہے۔

(فصل)

اخذِ لحیہ پر ایک یہودی کو

دعاءِ نبوی ﷺ

جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی حجام کو آپ ﷺ کی ریش مبارک تراشنے کی وجہ سے دعاء دی، چنانچہ!

"عن انس : ان یہودیا اخذ من لحیۃ النبی ﷺ، قال: فقال النبی ﷺ : "اللھم جمّلہ "فاسودت لحیتہ بعد ما کانت بیضائ"۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد6 صفحہ179 رقم2475)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کو تراشا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کیلئے فرمایا: اے اللہ! اسے باجمال بنادے! تو اس یہودی کی سفید داڑھی کالی سیاہ ہوگئی۔

نوٹ:۔

اس روایت سے بھی ترمذی کی روایت کردہ "عمرو بن شعیب" کی روایت کو مزید تقویت وشہادت ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ: اخذِ لحیہ کے مسنون ہونے کو بڑے بڑے جلیل القدر علماء نے بھی تسلیم کیا ہے اور اس کا انکار کسی سے بھی ثابت نہیں۔

(فصل)

چہرے کا جمال اخذِ لحیہ میں

”عن ام المؤ منین عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت :قال رسول اللّٰہ ﷺ : ینبغی للرجل اذا خرج لاصحابہ ان یسوی من رأسہ و لحیتہ فان اللّٰہ عزو جل جمیل یحب الجمال “یعنی (حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کو چاہیے جب بھی اپنے دوستوں کے پاس جانے لگے تو اپنے سر اور داڑھی کو برابر کرے کیونکہ بلاشبہ اللہ بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے)۔

(مسند الفردوس للدیلمی جلد5 صفحہ502 رقم8889)

(الکامل فی الضعفاء لا بن عدی جلد2 صفحہ6 رقم180)

(میزان الاعتدال للذہبی جلد1 صفحہ464 رقم1102)

اس روایت کو باعتبار سند علماء کی نظر میں ”ایوب بن مدرک“ کی وجہ سے موضوع قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے معنیٰ خوب ہیں اور شرع کے موافق ہیں جیسا کہ ظاہر ہے چنانچہ اس روایت میں لفظ ”یسوی“ استعمال ہوا ہے جس کا معنیٰ مرقاۃ میں یوں کیا گیا ہے کہ:

”وقال ابن الملک : تسویۃ شعر اللحیۃ سنۃ ، و ھی ان یقص کل شعرۃ اطول من غیرھا لیستوی جمیعھا “یعنی (ابن ملک فرماتے ہیں کہ: داڑھی کے بالوں کا ”تسویہ“ یعنی برابر کرنا سنت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: حد سے بڑھے ہوئے ہر بال کو کاٹ دیا جائے تاکہ تمام طرفیں برابر ہو جائیں)۔ (المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری جلد8 صفحہ285)

چنانچہ اس معنیٰ کی رو سے سر اور داڑھی کو برابر کرنے سے مراد کنگھی کرنا بھی لیا جا سکتا ہے اور تراش کر نکھارنا بھی، کچھ بھی ممنوع نہیں جیسا کہ سابقہ بحث اس پر دال ہے۔

(فصل)

معتدل داڑھی کا فائدہ

حسن و جمال کے ساتھ ساتھ خوش بختی اور سعادت مندی داڑھی کے ایک مشت تک ہونے میں ہی ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں جو روایت ہم پیش کرنے والے ہیں اس کے تین راوی ہیں!

(1)۔ ''**عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما :قال النبی ﷺ من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ**'' یعنی (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی خوش نصیبی اسی میں ہے کہ: اسکی داڑھی (ایک مشت تک) ہلکی ہو)۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی جلد 8 صفحہ 506، 507)

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 6 صفحہ 130 رقم 12747)

(الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ 504 رقم 8251)

(فیض القدیر للمناوی جلد 7 صفحہ 516 رقم 8251)

(البدر المنیر للشعرانی صفحہ 269 رقم 1933)

(نسیم الریاض للخفاجی جلد 1 صفحہ 331)

(کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ 159 رقم 7076)

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد 2 صفحہ 243)

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 285)

(المقاصد الحسنۃ للسخاوی صفحہ 439 رقم 1202)

(کشف الخفاء للعجلونی جلد 2 صفحہ 255، 256 رقم 2652)

(مجمع الزوائد جلد 5 صفحہ 215 رقم 8831 و صفحہ 218 رقم 8853)

اسی طرح جناب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے کہ: ''**ان من سعادۃ المرء خفۃ عارضیہ**'' یعنی (بلاشبہ

آدمی کی سعادت اسکی داڑھی کے (ایک مشت تک) ہلکا ہونے میں ہی ہے)

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی جلد 8 صفحہ 506)

(میزان الاعتدال للذھبی جلد 7 صفحہ 303 رقم 9887)

(شرح الشفاء لملا علی القاری جلد 1 صفحہ 160)

(2)۔ **''عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: ان رأس العقل التحبب الی الناس وان من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ''** یعنی (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ عقلمندی کی علامت لوگوں میں محبت بانٹنا ہے اور بلاشبہ آدمی کی سعادت اس کی داڑھی کے (ایک مشت تک) ہلکا ہونے میں ہے)۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی جلد 3 صفحہ 239)

(میزان الاعتدال للذھبی جلد 2 صفحہ 306 رقم 2059)

(3)۔ **''عن انس بن مالک: ان النبی ﷺ قال: من سعادۃ المرء ان یشبہ اباہ و من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ''** یعنی (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی خوش نصیبی اسی میں ہے کہ اپنے باپ کی طرح رحمدل ہوجائے اور آدمی کی خوش نصیبی اس کی داڑھی کے ایک مشت تک ہلکا ہونے میں بھی ہے)۔

(مسند الفردوس للدیلمی جلد 4 صفحہ 7 رقم 6012)

باوجود ضعفِ اسناد اس متن کو جمہور علماء نے تعددِ طرق اور غیر مخالفِ شرع ہونے کی وجہ سے قبول بھی کیا اور دائرہ استدلال میں بھی لے آئے اور اس حدیث کی شرح میں بہت

سی تصریحات بھی وارد فرمائیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سند کا ضعف اس کے متن کو درجہ استدلال میں لانے سے مانع نہیں۔

لیکن اس کے باوجود تم نے اپنے فتوٰی میں اس متن کو''موضوع'' قرار دے کر مطلقاً چھوڑ دیا، چنانچہ اس کی جوابی وضاحت بھی خوب توجہ سے ملاحظہ کرلو!

الجواب:۔

ہم مانتے ہیں کہ اس روایت پر علماءِ فن نے کافی کچھ رطب ویابس کلام فرمایا ہے کسی نے ضعیف، تو کسی نے اس روایت کو موضوع بھی قرار دیا ہے، اور کچھ علماء کے مطابق تو اس روایت کے الفاظ میں ''تصحیف'' واقع ہوئی ہے یعنی ان بعض کے نزدیک یہ روایت دوسرے الفاظ کے ساتھ زیادہ محفوظ ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: ''**من سعادة المرء خفة لحييه بذكر الله**'' یعنی (آدمی کی خوش نصیبی اسی میں ہے کہ: اس کے جبڑے اللہ کے ذکر سے ہلکے رہیں)۔

بہرحال اصلی اعتراض دو باتوں کو محیط ہے!

اولاً یہ کہ اس روایت کو علماء نے موضوع قرار دیا ہے۔

ثانیاً یہ کہ: اس روایت کو داڑھی کے معاملے میں غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے۔

(1)۔

تو پہلی صورت کا جواب یوں ہے کہ: ہم سابق میں اچھی طرح بیان کر چکے ہیں کہ موضوع روایت جب قرائن ومؤیدات سے خالی اور شرع کے مخالف ہو تو بے فائدہ اور مضر ہے لیکن جب اس کے حق میں شرع واسلاف کے اقوال وافعال موجود

ہوں تو اس سے فائدہ لینا بھی جائز اور اسے بیان کرنا بھی درست ہوتا ہے بس اسناد درست نہیں ہوتا جیسا کہ علامہ عجلونی نے ''کشف الخفاء'' جلد 2 صفحہ 256 میں اسی روایت پر نقد و جرح کے باوجود اس کی تائید میں علامہ مناوی کی فیض القدیر کے حوالے سے حضرت حسن مثنی رضی اللہ عنہ کا قول مأمون الرشید کا قصہ نقل کیا جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس سے استفادہ کو اہمیت دینے والوں میں شامل ہیں۔

پھر جب ہم نے علامہ عبد الرؤوف المناوی کی فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد 7 صفحہ 516 رقم 8251 پر اسی روایت کو دیکھا تو وہاں علامہ مناوی نے بھی اس روایت پر ائمہ حدیث کی نقد و جرح کو نقل کیا لیکن اس کے باوجود اس سے داڑھی کے ہلکا ہونے کی مراد کو درست قرار دینے کیلئے معقول توجیہ کرتے ہوئے یوں بھی فرمادیا کہ: **''ففی خفۃ اللحیۃ خفۃ الزینۃ و فی خفۃ الزینۃ سعادۃ''** یعنی (داڑھی کی میانہ روی میں زینت کی میانہ روی اور زینت کی میانہ روی میں ہی سعادت ہے)۔

اور تو اور علامہ عبد الرحمن السخاوی نے ''المقاصد الحسنۃ'' صفحہ 439 رقم 1202 پر اس حدیث کو نقل تو کیا لیکن اس پر کسی قسم کا بھی تنقیدی کلام نہیں فرمایا۔

اس کے علاوہ علامہ امام شہاب الدین الخفاجی نے **''نسیم الریاض''** جلد 1 صفحہ 331 میں بھی محض تنقید کرنے کی بجائے اس روایت کے معنیٰ کی تائید کرتے ہوئے اور اس سے استدلال کو برقرار رکھتے ہوئے ایک اعتراض اور اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ: **''فان قلت ورد فی الحدیث: ''من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ'' وھو ینافی کونھا کثۃ؟''** یعنی اگر تو کہے کہ:

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: ''آدمی کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ: اپنی داڑھی کو (ایک مشت تک) چھوٹا کرے''یعنی (معترض کے نزدیک) یہ حدیث تو داڑھی کے (ایک مشت تک ہونے اور) گھنے ہونے کے خلاف ہے؟

تو (علامہ خفاجی) جواباً فرماتے ہیں کہ: ''**قلت: المراد من ذالک عدم طولها جدا لما ورد فی ذمه**''یعنی میں کہتا ہوں کہ: اس سے مراد (مشت سے) زیادہ لمبا نہ کرنا ہے کیونکہ زیادہ لمبا کرنے کی مذمت میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

نیز ان کے ساتھ ساتھ امام ملا علی القاری بھی اس حدیث کو شرع کے موافق قرار دیتے ہوئے ''شرح الشفائ'' جلد 1 صفحہ 160 میں فرماتے ہیں کہ: ''**قال التلمسانی: روی ان النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **قال: من سعادة المرء خفة عارضته ویروی لحیته و معناه انها لاتکون طویلة فوق الطول**''یعنی (امام تلمسانی فرماتے ہیں کہ: روایت کیا گیا ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ: اس کے عارض ہلکے ہوں اور یوں بھی روایت کیا گیا ہے کہ: اس کی داڑھی ہلکی ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ: حد سے زیادہ لمبی نہ ہو)۔

اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ: اس روایت کو ہم نے سابق میں 3 طریقوں سے نقل کیا ہے جن میں سے جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ''موضوع''نہیں بلکہ خود تمہارے پیشوا ناصر الدین البانی نے اس روایت کو ''ضعیف الجامع'' میں صرف ضعیف ہی قرار دیا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے اس روایت کی کچھ تو اصل ہے یہی

وجہ ہے کہ علماءِ فن نے اس روایت کو مطلقاً چھوڑ دینے کی بجائے اس کے معنیٰ کو ثابت رکھا ، یہ اس مثال سے کہیں بہتر ہے جیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ''**لیس لہ اصل فمعناہ صحیح**'' یعنی (اسکی کوئی اصل نہیں لیکن اس کا معنیٰ بالکل صحیح ہے)اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس روایت کا متن محمودِ شرعی اصولوں کے عین مطابق ہو، اور یہاں تو سند بھی موجود اگرچہ ضعیف سہی پھر اس کے معنوی ثبات پر شرع شریف سے ادلہ وافرہ بھی موجود، جن میں سے سب سے بڑی اور عمدہ دلیل تو خود جناب رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کا سینہ مبارک سے زیادہ لمبا نہ ہونا ہے اور اگر اس مقدار سے زیادہ میں خوش بختی ہوتی تو خود جناب رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک اس سے بھی بڑی اور طویل یہاں تک کہ ناف تک ہوتی، کیونکہ ساری خوش بختیاں آپ ﷺ پر ہی ختم ہو چکیں، بس یہی نکتہ علماءِ حق کے فہم و شعور میں آیا جس وجہ سے وہ اس روایت کے متن کی قبولیت کے قائل ٹھہرے۔**فللہ الحمد**۔

(2)۔

اور رہا دوسرا اعتراض کہ بعض علماء نے اس روایت کو داڑھی کے معاملے میں غیر محفوظ قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے داڑھی کے سلسلہ میں ''غیر محفوظ'' ہونے والی بات درست نہیں کیونکہ الشیخ الامام ابو طالب المکی فرماتے ہیں کہ:''**وقد روینا خبرا من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ ،الا ان بعض الرواۃ رواہ علی معنی آخر فان لم یکن صحفہ فھو غریب ، کان یقول فیہ خفۃ لحیتہ ای بتلاوۃ القرآن ولا اراہ محفوظا**'' یعنی (اور ہم اس حدیث کو بھی روایت کر چکے ہیں کہ'' آدمی کی

سعادت اسکی داڑھی کے (ایک مشت تک) ہلکا ہونے میں ہی ہے'' اس کے باوجود بعض راویوں نے اس روایت کو دوسرے معنیٰ میں بھی روایت کیا ہے چنانچہ اگر اس میں تصحیف ثابت نہ ہو تو یہ روایت غریب ہے، اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ: یہ روایت اصل میں یوں تھی کہ'' آدمی کی خوش نصیبی اس کے جبڑوں کے ہلکا ہونے یعنی تلاوتِ قرآن کرنے میں ہی ہے''، لیکن میں اس کے اِن الفاظ کو نہیں سمجھتا)۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2 صفحہ 243)

ان تقریروں کو غور سے پڑھ لو! ان بزرگوں (جو تم سے زیادہ اصولِ حدیث کے جاننے والے تھے) جن میں سے کچھ نے تو جواباً سند پر جرح بھی نہیں کی بلکہ اس کا اصلی مفہوم واضح کر دیا جو اس روایت کی ان کے نزدیک قابلِ استدلال ہونے کی علامت ہے اور جن علماء نے اس روایت کی سند میں کلام کیا بھی ہے تو وہ بھی اس روایت کے معنیٰ کو ثابت ہی رکھتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں کہ: داڑھی کے ایک مشت تک ہونے میں آخر سعادت مندی کیوں نہیں؟ حالانکہ اسی فعلِ سنت کو اسلاف نے بھی پسند کیا، اپنا شعار بھی بنایا اور دوسروں کو بھی اسی کی ترغیب فرمائی کیونکہ اسی میں جمالِ ظاہری کی نمود کے ساتھ ساتھ حُسنِ باطنی کی شہود بھی ہے۔ خدا! سمجھنے کی توفیق دے!۔

یاد رہے کہ: سابقہ جن روایات میں ''**کث اللحیۃ**'' وغیرھا یعنی ''گھنی داڑھی'' کے الفاظ روایت کئے گئے ہیں انہیں بھی ہم نے ''ایک مشت'' پر محمول کیا اور یہاں ''**حفۃ لحیتہ**'' یعنی ہلکی داڑھی کو بھی ہم نے ایک مشت پر ہی محمول کیا ہے جسے کند ذہن افراد تضاد و نزاع پر محمول کر سکتے ہیں حالانکہ یہ کوئی نزاع یا تضاد نہیں بلکہ

صدوروورود کے اعتبار کو ہی ایک مشت کا مصداق بنایا گیا ہے یعنی مشت سے کم کے خلاف ''گھنی داڑھی'' اور بے حد طویل کے خلاف ''ہلکی داڑھی'' کا اطلاق کیا گیا ہے جس میں نزاع ثابت کرنا جہالت ہے۔ خدا سمجھنے کی توفیق بھی دے! آمین۔

(فصل)

بے جا طویل داڑھی اور عقل کا نقصان

تمام علماء کا اتفاق ایک مشت داڑھی پر تو ہے ہی البتہ اس سے زائد اگر طولِ فاحش حدِ اعتدال سے خارج اور بے موقع ، بدنما ہو تو بلا شبہ خلافِ سنت ومکروہ ہے کیونکہ اپنی صورت کو بدنما، بھیانک بنانا اور اپنے منہ پر دروازہ ءطعن وتمسخر کھولنا نیز بھولے بھالے مسلمانوں کو استہزاء وغیبت کی آفت میں ڈالنا اور کئی بے ریشوں کو داڑھی پر ابھارنے کی بجائے اس سنتِ عظیمہ سے متنفر کر دینا ہرگز بھی مرضی ءشرع نہیں ، اوراس سے شرع کا بھی نقصان لازم آتا ہے نیز رسول اللہ ﷺ کے فرمان عالیشان اور جمہور علماء کی تصریحات کے مطابق اسے حد سے زیادہ لمبا کرنے میں عقل کا نقصان بھی ہے چنانچہ اسی پر جمہور علماء کی متفقہ تصریحات بھی وارد ہیں، مثلاً!

(1)۔

العلامہ الشیخ امام عبدالرحمن السخاوی نقل فرماتے ہیں کہ: ’’**طول اللحیۃ دلیل قلۃ العقل** ‘‘یعنی (داڑھی کا (حد سے زیادہ) لمبا ہونا عقل کے کم ہونے کی دلیل ہے)۔ نیز علامہ سخاوی نے اس حدیث کو ذکر کرکے اس کے صحیح المعنیٰ ہونے پر مزید دلائل دیتے ہوئے لکھا کہ: ’’**یروی عن عمرو بن العاص رفعہ: ”اعتبروا عقل الرجل فی ثلاث : فی طول لحیتہ ، وکنیتہ، ونقش خاتمہ“ اسندہ الدیلمی، وھو واہ، ویقال: ان علی بن حجر نظر الی لحیۃ ابی الدرداء عبد العزیز ابن القاضی منیب، فقال: لیس بطول اللحی، تستوجبون القضا، ان کان ھذا کذا فالتیس عدل رضی، وفی لفظ نحوہ وانہ مکتوب فی التوراۃ: لا یغرنک طول اللحی فان التیس لہ لحیۃ**‘‘۔

(المقاصد الحسنۃ للسخاوی صفحہ 284 رقم 665)

(المقاصد الحسنۃ للسخاوی صفحہ 330 رقم 827)

یعنی (حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: تم آدمی کی عقل کو تین باتوں سے پرکھ لو: اس کی داڑھی کی بے حد لمبائی سے، اسکی کنیت سے اور اسکی انگوٹھی کے نقش سے، اس حدیث کی جو سند دیلمی نے بیان کی ہے وہ فضول ہے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ: بلاشبہ ''شیخ علی بن حجر'' نے ''ابو درداء عبد العزیز ابن القاضی منیب'' کی داڑھی کو دیکھا تو یہ شعر کہا: صرف طویل داڑھی کی وجہ سے تمہارا کسی کو قاضی بنانا درست نہیں ورنہ اگر ایسا ہوتا تو پہاڑی بکرا قاضی بننے کے زیادہ لائق ہوتا کیونکہ لمبی داڑھی تو اسکی بھی ہوتی ہے، اور اسی طرح کے لفظ تورات میں بھی لکھے ہوئے ہیں کہ: تجھے کسی کی بے حد لمبی داڑھی دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ ایسی داڑھی تو پہاڑی بکرے کی بھی ہوتی ہے)۔

(2)۔

اسی طرح الامام الشیخ علامہ عبد الوہاب الشعرانی نے فرمایا: ''**طول اللحیۃ دلیل علی قلۃ العقل، ھو بمعنی ما بعض نسخ التوراۃ: لا یغرنک طول اللحی فان التیس لہ لحیۃ ویروی عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: اعتبروا عقل الرجل فی ثلاث: فی طول لحیتہ، وفی کنیتہ وفی نقش خاتمہ**''۔

(البدر المنیر للشعرانی صفحہ 204 رقم 1487)

(البدر المنیر للشعرانی صفحہ 235 رقم 1687)

یعنی (طویل داڑھی عقل کے کم ہونے کی علامت ہے، اسی طرح کا معنیٰ تورات کے بعض نسخوں میں بھی ہے کہ: تجھے کسی کی بے حد لمبی داڑھی دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ ایسی داڑھی تو پہاڑی بکرے کی بھی ہوتی ہے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: تم آدمی کی عقل کو تین باتوں سے پرکھ لو: اس کی داڑھی کی بے حد لمبائی سے، اسکی کنیت سے اور اسکی انگوٹھی کے نقش سے)۔

(3)۔

العلامہ الشیخ الامام زرقانی فرماتے ہیں کہ: ''**قیل: کلما طالت اللحیۃ تشمر العقل، ۔۔۔۔۔قال الحسن بن المثنی: اذا رأیت رجلا لہ لحیۃ طویلۃ، ولم یتخذ لحیۃ بین لحیتین کان فی عقلہ شیئ**'' یعنی (فرمایا گیا ہے کہ: جب داڑھی حد سے لمبی ہو جاتی ہے تو عقل کم ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔حسن بن مثنی فرماتے ہیں کہ: جب بھی میں نے کسی ایسے آدمی کو دیکھا جس کی داڑھی حد سے زیادہ لمبی تھی اور وہ داڑھی میں میانہ روی کا لحاظ بھی نہیں رکھتا تھا تو اس کی عقل میں کمی ضرور ہوتی تھی)۔

(زرقانی علی المواہب جلد5 صفحہ508، 509)

(4)۔

العلامہ الشیخ الامام شہاب الدین الخفاجی اسی حدیث کے معنی کی تصدیق میں یوں وضاحت فرماتے ہیں کہ: ''**وقد قیل: اعتبروا عقل الرجل فی ثلاث فی طول لحیتہ ونقش خاتمہ وکنیتہ وقال الشاعر:
ونقصان عقل الفتی عندنا، بمقدار ماطال من لحیتہ**''

یعنی (یوں بھی روایت کیا گیا ہے کہ: آدمی کی عقل کو تین باتوں سے پرکھو! اسکی زیادہ لمبی داڑھی سے، اسکی انگوٹھی کے نقش سے اور اسکی کنیت سے، اور ایک شاعر نے کہا: ہمارے نزدیک کسی مرد کی عقل میں اتنا ہی نقصان ہوتا ہے جتنا کہ: اس کی داڑھی (حدِ شرع سے) طویل ہوتی جائے گی)۔

(نسیم الریاض للخفاجی جلد 1 صفحہ 331)

(5)۔

العلامہ الشیخ الامام ملا علی القاری اسی حدیث کی تائیدی وضاحت میں یوں لکھتے ہیں کہ: ’’**قال رسول اللہ** ﷺ: **اعتبروا عقل الرجل فی ثلاث : فی طول لحیتہ ونقش خاتمہ وکنیتہ، وعن الحسن بن المثنی : انہ قال: اذا رأیت رجلا ذا لحیۃ طویلۃ ولم یتخذ لحیۃ بین لحیتین کان فی عقلہ شیء وقیل: ما طالت لحیۃ انسان قط الا ونقص من عقلہ مقدار ما طال من لحیتہ ومنہ قول الشاعر: اذا کبرت للفتی لحیۃ ،فطالت وصارت الی سرتہ، فنقصان عقل الفتی عندنا ،بمقدار ما طال من لحیتہ**‘‘۔

(شرح الشفاء لملا علی القاری جلد 1 صفحہ 160)

یعنی (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی عقل کو تین باتوں سے پرکھو! اس کی داڑھی کے (حد سے) لمبا ہونے سے، اسکی انگوٹھی کے نقش سے اور اسکی کنیت سے، اور حسن بن مثنی فرماتے ہیں کہ: جب بھی میں نے کسی ایسے آدمی کو دیکھا جس کی داڑھی حد

سے زیادہ لمبی ہوتی اور وہ اس میں میانہ روی کا لحاظ بھی نہیں رکھ پاتا تھا تو اس کی عقل میں کمی ضرور تھی، اور بعض نے کہا ہے کہ: جس انسان کی بھی داڑھی حد سے زیادہ لمبی ہوئی اسکی عقل میں داڑھی کی بے جا لمبائی کے حساب سے نقصان ضرور ہوا، اسی بارے میں شاعر کا قول ہے کہ: جب بھی کسی مرد کی داڑھی لمبی ہو اور اتنی لمبی ہو جائے کہ: ناف تک پہنچ جائے تو ہمارے نزدیک اس کی عقل میں اتنا ہی نقصان ہوتا ہے جتنا کہ: اس کی داڑھی کی لمبائی ہوتی ہے)۔

(6)۔

العلامہ الشیخ الامام یعقوب البروسوی اسی حدیث کی تائید میں فرماتے ہیں کہ: ''**کلما طالت اللحیۃ نقص العقل**'' یعنی (حد سے زیادہ داڑھی جتنی بھی لمبی ہوتی جائے گی عقل اتنی ہی کم ہوتی جائے گی)۔

(مفاتیح الجنان للبروسوی صفحہ 362)

(7)۔

العلامہ الشیخ الامام ملا علی القاری ''**مرقاۃ المفاتیح**'' میں تائیداً فرماتے ہیں کہ: ''**کلما طالت اللحیۃ نقص العقل**'' یعنی (داڑھی جتنی طویل ہوتی جائے گی عقل میں اتنا ہی نقصان ہوگا)۔

(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی القاری جلد 8 صفحہ 285)

(8)۔

العلامہ الشیخ الامام ابن عابدین الشامی اسی حدیث کی تائید میں فرماتے ہیں کہ: ''**اشتھر ان طول اللحیۃ دلیل علی خفۃ العقل**'' یعنی (مشہور

ہے کہ: داڑھی کا طویل ہونا عقل کے کم ہونے کی دلیل ہے)۔

(رد المحتار علی الدر المختار)

(9)۔

مجددِ وقت امام غزالی فرماتے ہیں کہ: ''**کلما طالت اللحیة تشمر العقل**'' یعنی (داڑھی جتنی طویل ہوتی جائے گی عقل میں اتنا ہی نقصان ہوگا)۔

(احیاء العلوم للغزالی جلد 1 صفحہ 166)

مزید فرماتے ہیں کہ ''**وروی عن مالک رحمه اللّٰه انه قال: قرأت فی بعض الکتب: لا تغرنکم اللحی فان التیس له لحیة و قال ابو عمرو بن العلاء: اذا رأیت الرجل طویل القامة صغیر الهامة عریض اللحیة فاقض علیه بالحمق ولو کان امیة بن عبد شمس**''۔

(احیاء العلوم للغزالی جلد 1 صفحہ 167)

یعنی مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ: لمبی داڑھیاں تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں کیونکہ لمبی داڑھی تو پہاڑی بکرے کی بھی ہوتی ہے، اور ابو عمرو بن العلاء کہتے ہیں کہ: جب بھی تو لمبے قد، چھوٹی کھوپڑی اور لمبی چوڑی داڑھی والے کو دیکھے تو اس کے احمق ہونے کا فیصلہ کر لے اگرچہ وہ شخص امیہ بن عبد شمس ہی کیوں نہ ہو۔

(10)۔

علامہ الشیخ ابو طالب مکی اسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ: ''**رو ینا عن مالک بن معول قال: قرأت فی بعض کتب اللّٰہ عزوجل: لا تغرنکم اللحی فان التیس لہ لحیۃ وقال بعض الادبائ: کلما طالت اللحیۃ تشمر العقل وقال ابو عمرو بن العلاء: اذا رأیتہ طویل القامۃ صغیر الہامۃ عریض اللحیۃ فاقض علیہ بالحمق ولو کان امیۃ بن عبد شمس وقال معاویۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: یتبین حمق الرجل من طول قامتہ وعظم لحیتہ وفی کنیتہ ونقش خاتمہ**''۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2 صفحہ 244)

یعنی (ہم نے مالک بن معول سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ: لمبی داڑھیاں تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں ورنہ لمبی داڑھی تو پہاڑی بکرے کی بھی ہوتی ہے، اور بعض ادیب لوگ کہتے ہیں کہ: ''داڑھی جتنی طویل ہوتی جائے گی عقل میں اتنا ہی نقصان ہوگا'' اور ابوعمرو بن العلاء کہتے ہیں کہ: جب بھی تو لمبے قد، چھوٹی کھوپڑی اور لمبی چوڑی داڑھی والے کو دیکھے تو اس کے احمق ہونے کا فیصلہ کرلے اگرچہ وہ شخص امیہ بن عبد شمس ہی کیوں نہ ہو، اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لمبے قد، لمبی داڑھی ،کنیت اور انگوٹھی کے نقش سے آدمی کی حماقت کا بھی اظہار ہو جاتا ہے)۔

(11)۔

الشیخ علامہ العجلونی فرماتے ہیں کہ: ''**طول اللحیۃ دلیل علی قلۃ**

العقل اسندہ الدیلمی عن عمرو بن العاص رفعہ ، وقال: فی التمییز اسندہ الدیلمی بسند واہ بلفظ اعتبروا عقل الرجل فی ثلاث: فی طول لحیتہ وکنیتہ ونقش خاتمہ وما احسن ما قیل: "ان کان بطول اللحی یستوجبون القضا فالتیس عدل مرتضی" وفی لفظ "لیس بطول اللحی یستوجبون القضا ان کان ھذا کذا فالتیس عدل رضا" وروی: مکتوب فی التوراۃ: لا یغرنک طول اللحی ، فان التیس لہ لحیۃ ، وروی عن ابی دوس الاشعری انہ قال کنا عند معاویۃ جلوسا اذ اقبل رجل طویل اللحیۃ ، فقال معاویۃ: ایکم یحفظ حدیث رسول اللّٰہ ﷺ فی طول اللحیۃ ، فسکت القوم، فقال معاویۃ: لکنی احفظہ، فلما جلس الرجل قال لہ معاویۃ اما اللحیۃ فلسنا نسأل عنھا ، سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: "اعتبروا عقل الرجل فی طول لحیتہ ونقش خاتمہ وکنیتہ"، فما کنیتک؟ قال: ابو کوکب، قال: فما نقش خاتمک؟ فقال: وتفقد الطیر فقال: ما لی اری الھدھد ام کان من الغائبین، فقال معاویۃ: وجدنا حدیث رسول اللّٰہ ﷺ حقا"۔

(کشف الخفاء للعجلونی جلد2 صفحہ43 رقم1675)

یعنی ("طویل داڑھی عقل کے کم ہونے کی دلیل ہے" اس روایت کی دیلمی نے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور ''التمییز'' میں کہا گیا ہے کہ: دیلمی کی سند کمزور ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ: آدمی کی عقل کو تین چیزوں سے تولو، اسکی داڑھی کی لمبائی میں، اسکی کنیت میں اور اسکی انگوٹھی کے نقش میں، کسی نے کیا خوب کہا کہ: ''اگر لمبی داڑھی والے کو قاضی بنا دینا چاہیے تو اس معیار پر پہاڑی بکرا پورا اترتا ہے'' اور دوسرے لفظوں میں یوں ہے کہ: ''لمبی داڑھی والے کو قاضی نہیں بنانا چاہیے ورنہ پہاڑی بکرا قاضی بننے کے زیادہ لائق ہے'' اور روایت ہے کہ: تورات میں یوں لکھا ہوا ہے کہ: ''تجھے کسی کی زیادہ لمبی داڑھی دھوکے میں نہ ڈالدے کیونکہ لمبی داڑھی تو پہاڑی بکرے کی بھی ہوتی ہے''، چنانچہ جناب ابو دوس الاشعری فرماتے ہیں کہ: ہم سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لمبی داڑھی والا آدمی آ گیا تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے کس کو لمبی داڑھی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد ہے؟ تو لوگ خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: لیکن مجھے یاد ہے، چنانچہ جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو اس سے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم تیری داڑھی کے بارے میں سوال نہیں کرتے، البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: آدمی کی عقل کو لمبی داڑھی، انگوٹھی کے نقش اور اسکی کنیت سے ناپو، چنانچہ تیری کنیت کیا ہے؟ وہ بولا: ابوکریب، فرمایا: تیری انگوٹھی میں کیا نقش ہے؟ بولا: پرندہ کی گمشدگی (اسکی انگوٹھی میں کچھ بھی منقش نہیں تھا) مزید بولا: یعنی میں ہدہد کو اپنی انگوٹھی میں نہیں دیکھتا گویا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے، تو جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو حق پایا ہے)۔

(12)۔

علامہ الشیخ عبد الرؤف المناوی فرماتے ہیں کہ:’’**كلما طالت اللحية تشمر العقل كما حكاه الغزالى ۔۔۔۔۔۔۔ قال الحسن بن المثنى: اذا رأيت رجلا له لحية طويلة ولم يتخذ لحيته بين لحيتين كان فى عقله شىء ،وكان المأمون جالسا مع ندمائه مشرفا على دجلة يتذاكرون اخبار الناس ، فقال المأمون : ما طالت لحية انسان قط الا ونقص من عقله بقدر ما طالت منها ،و ما رأيت عاقلا قططويل اللحية ، فقال بعض جلسائه : ولا يرد على امير المؤمنين انه قد يكون فى طولها عقل،فبينما هم يتذاكرون اذا اقبل رجل طويل اللحية ،حسن الهيئة ،فاخر الثياب ،فقال المأمون: ما تقولون فى هذا ؟فقال بعضهم : عاقل،وقال بعضهم : يجب كونه قاضيا، فأمر المأمون باحضاره ، فوقف بين يديه فسلم فاجاد، فاجلسه المأمون واستنطقه فاحسن النطق، فقال المأمون: مااسمك؟ قال: ابو حمدويه والكنية علويه ،فضحك المأمون وغمز جلساءه ،ثم قال: ماصنعتك؟ قال: فقيه اجيد الشرع فى المسائل، فقال: نسألك عن مسألة ، ماتقول فى رجل اشترى شاة فلما تسلمها المشترى خرج من استها بعرة ففقأت عين رجل ،**

فعلى من الدية؟ قال: على البائع دون المشترى، لانه لما باعها لم يشترط ان فى استها منجنيقا ،فضحك المأمون حتى استلقى على قفاه ثم انشد:

ما احد طالت له لحية فزادت اللحية فى هيئته
الا و ماينقض من عقله اكثر مما زاد فى لحيته"

(فیض القدیر للمناوی جلد 6 صفحہ 578، 579)

یعنی (جب بھی داڑھی حد سے لمبی ہوتی جائے گی عقل کا نقصان ہوتا جائے گا جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔۔حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ: میں نے جب بھی کسی کو بہت لمبی داڑھی والا دیکھا جو اپنی داڑھی میں میانہ روی کا لحاظ نہیں رکھتا تو اسکی عقل میں نقصان ہی پایا۔

ایک مرتبہ بادشاہ مأمون الرشید اپنے درباریوں کے ساتھ دریاء دجلہ کے کنارے بیٹھا لوگوں کے واقعات سننے سنانے میں مصروف تھا تو مأمون بولا: جس آدمی کی داڑھی جتنی لمبی ہوتی جائے گی اسکی عقل اتنی ہی کم ہوتی جائے گی اور میں نے کسی بھی عقلمند انسان کو زیادہ لمبی داڑھی والا نہیں دیکھا، تو مجلس میں سے کسی نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! بھلا داڑھی کے لمبا ہونے سے عقل کا کیا تعلق؟ اسی دوران وہاں ایک لمبی داڑھی والا، اچھی صورت اور عمدہ کپڑوں والا ایک آدمی آتا دکھائی دیا، مأمون بولا: تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کچھ نے کہا: یہ تو عقلمند ہے، کچھ بولے: یہ تو ضرور کوئی قاضی ہی ہوگا، چنانچہ مأمون نے اس کو بلوایا، وہ سامنے آیا اور سلام جواب کے بعد مأمون نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس سے باتیں کرنا شروع کردیا اس

نے بڑی میٹھی گفتگو کی، چنانچہ مأمون نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ بولا: ''ابوحمدویہ'' اورکنیت ''علویہ''، یہ سن کر مأمون ہنس پڑااوراپنے درباریوں کودیکھنے لگا، پھرپوچھا: تم کرتے کیا ہو؟ بولا: فقیہ ہوں اورشریعت کے مسائل سکھاتاہوں، مأمون بولا: پھرتو ہم بھی تم سے ایک مسئلہ پوچھ لیتے ہیں، تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہوجس نے ایک بکری خریدی جب خرید چکا تو بکری کی شرمگاہ سے مینگنی نکلی اورکسی شخص کی آنکھ میں چلی گئی جس سے اس کی آنکھ ضائع ہوگئی تو بتاؤ! اس آنکھ کی دیت کس پر ہوگی؟ بولا: خریدنے والے پرنہیں ہوگی بلکہ بیچنے والے پر ہوگی، کیونکہ جب بیچنے والے نے اسے بیچا تھاتو یہ واضح نہیں کیا تھا کہ: اس بکری کی شرمگاہ میں منجنیق لگی ہوئی ہے، یہ سن کر مأمون اپنی گردن کے بل ہنستاہواگرپڑا پھراس نے یہ شعر پڑھا:

جس کسی کی داڑھی اتنی لمبی ہوجائے کہ اسکی شکل پرداڑھی زیادہ بڑی لگنی لگےتوجتنی لمبی اس کی داڑھی ہوگی اس سے زیادہ اسکی عقل کا نقصان ہوگا)۔

فائدہ:۔

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوا کہ: جمہورعلماء اس بات پر متفق ہیں کہ: داڑھی کا حدِ شرع سے زیادہ طویل ہونا'' عقل'' کیلئے بھی نقصان دہ ہے، نیز''طولِ لحیہ سے نقصِ عقل'' کا یہ قول مجربات میں سے ہے، تبھی تو اہلِ علم میں یہ قول شہرت کا حامل ہوا، لہذاداڑھی کا معتدل یعنی ایک مشت تک ہونا ہی ''اصوب'' اور'' مفیدِ عقل'' ہے۔

(فصل)

داڑھی کا عقل سے تعلق حدیث مرفوع کی روشنی میں

داڑھی کے عقل سے تعلق کے اثبات پر ایک نفیس روایت جسے کتبِ معتمدہ میں نقل فرما کر علماء نے قبول کر کے دائرہِ استدلال میں بھی داخل کر دیا، اس روایت کے دو راوی ہیں، لہذا شہادت کے لحاظ سے بھی اسے تقویت حاصل ہے، چنانچہ!

(1)۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

”عن عمرو بن العاص: قال النبی ﷺ: اعتبروا عقل الرجل فی ثلاث: فی طول لحیتہ، و کنیتہ، و نقش خاتمہ“

یعنی (حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم آدمی کی عقل کو تین باتوں سے پرکھ لو: اس کی داڑھی کی بے حد لمبائی سے، اسکی کنیت سے اور اسکی انگوٹھی کے نقش سے)۔

(مسند الفردوس للدیلمی جلد 1 صفحہ 89 رقم 287)

(المقاصد الحسنۃ للسخاوی صفحہ 284 زیر رقم 665)

(کشف الخفاء للعجلونی جلد 2 صفحہ 43 زیر رقم 1675)

(البدر المنیر للشعرانی صفحہ 204 زیر رقم 1487)

(کنز العمال رقم 30802)

(2)۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

”عن معاویۃ: قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: اعتبروا عقل الرجل فی طول لحیتہ، و نقش خاتمہ و کنیتہ“

یعنی (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تم آدمی کی عقل کو اس کی داڑھی کی لمبائی، اسکی

انگوٹھی کے نقش اور اسکی کنیت سے پرکھو)۔

(کشف الخفاءللعجلونی جلد2صفحہ43زیر رقم1675)

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2صفحہ244)

اس روایت کو بھی علماء نے قبول فرمایا اور استدلال کیلئے برقرار بھی رکھا جیسا کہ سابق میں بیان کردیا گیا ہے۔

(فصل)

جناب رسول اللہ ﷺ سے
اَخذِ لحیہ کی مزید روایتیں

اخذِلحیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی ایک اور روایت بھی ہے جسے کئی علماء نے اپنی کتب میں درج کیا ہےاور یہ روایت بھی دو حضرات سے مروی ہے چنانچہ!

(۱)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

’’عن عائشة قالت قال النبی ﷺ :خذو من عرض لحاکم واعفوا طولها‘‘ یعنی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی داڑھیوں کو چوڑائی سے تراشو اور اس کی لمبائی کو چھوڑ دو)۔

(مسند الفردوس للدیلمی جلد2 صفحہ166 رقم2833)

(الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ237 رقم3898)

(فیض القدیر للمناوی جلد4 صفحہ438 رقم3898)

(کنوز الحقائق للمناوی جلد1 صفحہ271 رقم3433)

(کنز العمال للعلی الهندی جلد6 صفحہ277 رقم17221)

(2)۔ حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ

’’عن ابی سعید الخدری قال قال النبی ﷺ : لا یأخذن احدکم من طول لحیته ولکن من الصدغین‘‘ یعنی (حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اپنی داڑھی کے طول سے نہ تراشے لیکن کنپٹیوں کی طرف سے تراشے)۔

(تاریخ بغداد للخطیب جلد5 صفحہ396)

(مسند الفردوس للدیلمی جلد5 صفحہ165 رقم7835)

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم جلد3 صفحہ94)

(کنز العمال للعلی الھندی جلد6 صفحہ281 رقم17277)

چنانچہ اگر تم ان دونوں روایتوں کو دلیل بنا کر یہ ثابت کرنا چاہو کہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کو بے حد لمبا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے تراشنے سے منع فرمایا ہے تو مجھے تمہاری عقل پر بے حد حیرت ہوگی کیونکہ!

اولاً تو اس روایت میں تراشنے کا ذکر موجود ہے اگرچہ چوڑائی کی جانب سے اور تمہارے نزدیک تو یہ بھی خلافِ سنت ہے جیسا کہ تم اپنے فتویٰ میں بیان دے چکے ہو،

ثانیاً اس روایت کا مستفاد بھی ہماری پیش کردہ کسی بھی سابقہ روایت کے مخالف نہیں کیونکہ ذرا سا غور کرنے کی زحمت کرو اور خود سے یہ سوال کرو کہ آخر رسول اللہ ﷺ نے چوڑائی سے داڑھی کے بال تراشنے کی اجازت کیونکر دی؟ تو جواب سیدھا سا ہے یعنی وہ اس لئے کہ: چوڑائی کے بال جب اس قدر بڑھ جائیں کہ عجیب صورتِ حال پیدا کر کے داڑھی کی زینت اور چہرے کے وقار میں بھیانک پن کا سبب بن جائیں تو ان بالوں کو تراش کر کم کرنے میں ہی زینت ہے کیونکہ داڑھی کو اللہ جل وعلا نے مردوں کی زینت بنایا ہے، اور احادیث و آثار اور جمہور علماء کی تصریحات بھی اسی پر دال ہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ مناوی ''فیض القدیر'' میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی اسی سابقہ روایت کا یہ مفہوم بیان فرماتے ہیں کہ: **''خذوا من شعر عرض لحاکم ما طال منه واعفوا طولها ای اترکوه فلا**

تأخذوا منہ شیئا ندبا فیھما ''یعنی اپنی داڑھیوں کی چوڑائی کی جانب سے زیادہ لمبے بالوں کوتراش لواوراسے لمبائی کی جانب سے چھوڑ دویعنی اس میں سے کچھ بھی نہ تراشوان دونوں میں حدِ شرع کالحاظ کرتے ہوئے۔

جی ہاں! الحمدللہ جواب مل گیا کہ ان روایتوں میں چوڑائی اور لمبائی دونوں جانب حدِ شرع کالحاظ رکھنا مشروع ومأ مور ہے اور وہ محض ایک مشت ہی ہے پھرتو لامحالہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اگر چوَڑائی میں زینت کا لحاظ رکھتے ہوئے تراشنے کی اجازت دی جارہی ہےتو اسی زینت کا لحاظ رکھتے ہوئے لمبائی سے بھی تراشنے کی اجازت ہونی چاہیے کیونکہ داڑھی کے بالوں کے مشت سے طویل ہوتے جانے کی وجہ سے بھی بھیانک پن پیدا ہوجاتا ہے جیسا کہ علماء کی تصریحات سابق میں گزرچکیں نیز تراش کرمشت سے کم کردینا شرع میں کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا کیونکہ مرد کی زینت داڑھی کے کم ازکم ایک مشت تک ہونے میں ہی ہے اس سے کم میں بالکل نہیں، اسی لئے ایک مشت تک داڑھی بڑھانے کا حکم دینے کیلئے ''**اعفوا، ارخوا، انرکوا**'' وغیرہ کے ساتھ ساتھ اب ''**واعفوا طولھا**'' اور ''**لا یأخذن من طول لحیتہ**'' کے الفاظ وارد ہوئے ان الفاظ کاتعلق قطعاً بھی مشت سے بے حدزائد بڑھانے پر دال نہیں ہے کیونکہ عاقل باشعور کیلئے یہ سمجھنا ذرا بھی مشکل نہیں کہ: چوَڑائی سے تراشنے کی اجازت کا عطف اس امر کی توضیح کردیتا ہے کہ جو علتِ جواز وہاں چوَڑائی میں ہےاس کالحاظ یہاں طول میں بھی بدرجہء اتم رکھا جائے گا اسی پر کبار صحابہ وتابعین کاعمل اور جمہور علماء کافتویٰ ہے۔

لہٰذا نتیجہ ء بحث یہ نکلا کہ: ان دونوں روایتوں میں داڑھی مطلقاً بڑھانے کی اجازت

نہیں دی گئی بلکہ اس اجازت کو فقط ایک مشت تک بڑھانے پر ہی محمول کیا جائے گا ورنہ پھر وہی اشکال پیدا ہوگا کہ آخر چوڑائی سے اجازت کیونکر دی گئی؟ خدا سمجھنے کی توفیق دے۔(آمین)

باب

اخذِلحیہ اور

آثارِصحابہ علیہم الرضوان

تم نے اپنے فتوی میں دو اور دعوے کئے ہیں کہ:

(1)۔ ''داڑھی کو مشت سے زائد تراشنا ''منفرد صحابی'' کا عمل ہے''۔

(2)۔ ''جوامت کیلئے حجت نہیں ہے''۔

دعویٰ نمبر 1 کا جواب:۔

داڑھی تراشنے کا جواز ''منفرد'' صحابی سے نہیں بلکہ کتب مستندہ میں موجود متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے جن کا بیان ان شاء اللہ العزیز بعد میں آئے گا، جمہور اہلِ علم میں سے کوئی بھی اخذِ لحیہ کا جواز فقط ''منفرد'' سے ثابت ہونے کا قائل نہیں بلکہ تمام اہلِ علم پر ظاہر ہے کہ: اخذِ لحیہ کا جواز اصحابِ رسول ﷺ میں مشہور ومعروف تھا، یہاں بطور تائید چند مستند علماء کی توضیحات ملاحظہ ہوں جن کے نزدیک اخذِ لحیہ ''منفرد'' نہیں بلکہ متعدد اصحاب النبی ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ:

(1)۔

سابق میں امام ابو محمد عبداللہ بن ابی زید القیروانی کے حوالے سے یہ عبارت نقل کردی گئی ہے کہ: ''**قال مالک: لا بأس بالاخذ من طولها اذا طالت کثیرا وقاله غیر واحد من الصحابة والتابعین**'' یعنی (امام مالک فرماتے ہیں کہ: داڑھیاں جب بہت زیادہ لمبی ہوجائیں تو انہیں لمبائی کی طرف سے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ قول اکثر صحابہ وتابعین کا ہے)۔

(الرسالة فی فقه الامام مالک للقیروانی، باب فی الفطرة صفحه 113، 114)

(2)۔

”عن منصور عن ابراہیم قال: کانوا یأخذون من جوانبھا وینظفونھا یعنی اللحیۃ“یعنی (منصور روایت کرتے ہیں حضرت ابراہیم نخعی سے کہ: صحابہ کرام اپنی داڑھیوں کے اطراف سے تراش لیا کرتے تھے اور انہیں سنوار کر رکھا کرتے تھے یعنی داڑھیوں کو)۔

(شعب الایمان للبیہقی جلد5 صفحہ220 رقم6438)

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6 صفحہ109 رقم11)

(3)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ: **”عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ** ﷺ **قال: جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس، قال الحلیمی رحمہ اللّٰہ: فقد یحتمل ان یکون لعفو اللحی حد وھو ماجاء عن الصحابۃ فی ذالک فروی عن ابن عمر انہ کان یقبض علی لحیتہ فما فضل عن کفہ امر بأخذہ وکان الذی یحلق رأسہ یفعل ذالک بأمرہ ویأخذ عارضیہ ویسوی اطراف لحیتہ وکان ابو ھریرۃ یأخذ بلحیتہ ثم یأخذ ما یجاوز القبضۃ“۔**

(شعب الایمان للبیہقی جلد5 صفحہ219، 220 رقم6432)

یعنی (جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں چھوڑ دو اور مجوس کی مخالفت کرو، علامہ حلیمی فرماتے ہیں کہ: داڑھیاں بڑھانے کے حکم میں ”حد“ کا احتمال ہے اور اس بارے میں صحابہ کرام

سے بھی بہت کچھ مروی ہے چنانچہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: وہ بھی اپنی داڑھی کو پکڑ کر مٹھی سے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹنے کا حکم دیتے تھے اور آپ کا حجام آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہی ایسا کیا کرتا تھا، اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی کی چوڑائی لمبائی سے کانٹ چھانٹ کیا کرتا تھا، اور جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی داڑھی کو پکڑ کر مشت سے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے)۔ (4)۔

"عن الحسن ، قال: کان یرخصون فیمازادعلی القبضۃ من اللحیۃ ان یؤخذ منھا" یعنی (حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام داڑھی کے مشت سے بڑے ہوئے بالوں کو تراشنے میں رخصت دیا کرتے تھے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6 صفحہ109 رقم5)

چنانچہ ثابت ہو گیا کہ؛ اخذِ لحیہ کے قائل "منفرد" نہیں بلکہ "متعدد" صحابہ ہیں، نیز یہ تو ابھی جھلک تھی مزید روایات ہم آگے پیش کرنے والے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ الحمد للہ اخذِ لحیہ کے جواز کا موقف ہی صحابہ کرام کا راجح موقف ہے۔ اس حیثیت سے تمہارا "منفرد" کا پاٹ دہرانا جھوٹ اور بددیانتی قرار پایا۔

دعویٰ نمبر 2 کا جواب:۔

تم نے اپنے فتویٰ میں یہ دوسرا دعویٰ یہ کر دیا کہ: "منفرد صحابی کا عمل حجت نہیں" اور اسی پر بس نہیں بلکہ تمہارے مجہول مفتی نے اپنے فتوٰی میں ادلہ ء

اربعہ کی پُٹھی ترتیب پیش کرنے کے بعد اُلٹا ہم ہی سے مطالبہ کر دیا کہ:

''اپنے حنفی اصول پر غور کرو کیا اس اصول کے مطابق ''منفرد صحابی'' کا عمل یا قول حجت ہے؟ اگر ہے تو فقہ کے اصول میں بیان کیوں نہیں کیا گیا؟''

چنانچہ اگر بات ''حنفی اصول'' کی ہی چل نکلی ہے تو اچھی طرح جان لو! ''الحمدللہ'' ہم احناف کے سرتاج اور اس امت کے سراج امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا استنباطِ مسائل کے بارے میں سیدھا اور بالکل صاف اصول یہ ہے کہ: قرآن وسنت کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حجت مانتے ہیں بلکہ اگر ہمیں کتاب وسنت یا اجماع سے کسی مسئلہ پر کوئی دلیل نہ بھی ملے تو بھی ہم خود قیاس کرنے کی بجائے ''منفرد صحابی'' کے قیاس کو ہی کافی اور حجت سمجھتے ہیں۔

نیز امام عبدالوہاب الشعرانی الشافعی کی ''**المیزان الکبریٰ**'' جلد 1 فصلِ ثانی کے حوالے سے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

''ہم سب سے پہلے قرآن، پھر حدیث اور پھر صحابہ کے فیصلوں کو لازم پکڑتے ہیں اگر کسی حکم میں سب متفق ہوں تو ہم اس پر عمل کو لابدی اور ضروری سمجھتے ہیں اور اگر دلائلِ مذکورہ میں اختلاف پایا جائے تو اس وقت ایک حکم کو دوسرے پر قیاس کر کے تطبیق دیدیتے ہیں تاکہ ابہام اور اختلاف دور ہوجائے اور مطلب اچھی طرح واضح ہوجائے''۔(انتہیٰ)

الحمدللہ کتبِ متداولہ معتمدہ میں ہمارے اس اصول کے اثبات وصحت پر طویل مباحث موجود ہیں جن کے ایراد کی یہاں گنجائش نہیں۔**وبہا الاکتفائ**۔

ذرا انصاف کرو کہ صحابہ کرام کے کتاب وسنت کے اصولوں پر مبنی آثار واقیسہ اور

فیصلوں کے ساتھ ساتھ تصریحاتِ جمہور کو تم ہی نے ٹھکرایا، حتی کہ: خود اپنے شیوخ کے فتووں کو بھی نظر انداز خود تم ہی نے کیا اور ''اصولوں'' پر نہ چلنے کا طعنہ ہمیں مار دیا، کیا یہ ظلم وزیادتی نہیں؟

اور تو اور ''متعدد'' کو ''منفرد'' کہا اور ''منفرد'' کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ: ''حجت نہیں''۔۔۔۔۔۔ یہ کیا ہے؟۔۔۔۔۔ کیا اسے تحقیقِ حق سے دور کا بھی واسطہ ہے؟۔۔۔۔ اسی طبعی تقلید نہ کہوں تو کیا کہوں؟۔۔۔۔ جو شخص حضرات صحابہ کرام کو اپنے لئے حجت سمجھے اور ان بزرگوں کے آثار کو بطور دلیل لازم پکڑے تو تم اسے سنتِ رسول ﷺ سے منہ پھیرنے والا قرار دیدیتے ہو اور جو آثارِ اسلاف کو ہی حجت نہ مانے، حتی کہ: ''متعدد'' کے آثار کو ''منفرد'' کہہ کر ٹھکرادے تو تم اسے پکا ''سلفی'' کہتے ہو، تمہاری یہ بے جان اور مضحکہ خیز منطق ہماری سمجھ سے پرے ہے۔۔۔۔ تو اگر تمہارے نزدیک اثرِ صحابی کا کوئی اعتبار نہیں تو ہمارے نزدیک بھی فہمِ وہابی کی کوئی اوقات نہیں۔

صحابی کی حدیث ''حدیث نبوی'' ﷺ کے حکم میں ہے:۔

حق تو یہ ہے کہ: منفرد صحابی کے

قول وعمل کو جمہور علماء خواہ مخواہ رد نہیں کر دیتے بلکہ اسے حکماً ''مرفوع حدیث'' یعنی حدیث نبوی ﷺ کا درجہ دیتے ہیں، جیسا کہ تبیین الحقائق (کتاب الدیات) میں فرمایا گیا ہے کہ ''**الموقوف کالمرفوع**'' (حدیث موقوف مرفوع کا درجہ رکھتی ہے) اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ موقوف حدیث ''صحابی'' کی حدیث کو کہتے ہیں ،چنانچہ پھر سونے پہ سہاگہ یہ کہ خود تمہارے معتبر ومسلم ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر

124،125 میں بھی ایسا ہی لکھا ہے ملاحظہ کرلو!

"اور شرح نخبۃ الفکر میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ: **و مثال المرفوع من الفعل حکما ان یفعل الصحابی مالا مجال فیہ للاجتھاد فینزل علی ان ذالک عندہ عن النبی ﷺ کما قال الشافعی فی صلوۃ علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجھہ فی الکسوف فی کل رکعۃ اکثر من رکوعین انتھی وقال السیوطی: من المرفوع ایضا ماجاء عن الصحابی و مثلہ لا یقال من قبل الرای ولا مجال لاجتھاد وفیہ فیحمل علی السماع جزم بہ الرازی فی المحصول وغیر واحد من ائمۃ الحدیث وترجم علی ذالک الحاکم فی کتابہ معرفۃ الاسانید التی لا یذکر مسندھا۔الخ۔(تدریب الراوی)**

دونوں عبارتوں کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ: جب کسی صحابی سے کوئی ایسا امر ثابت ہو جس کی بناء عموماً صرف عقل ہی پر نہ ہوا کرتی ہو اور نہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے اور اس صحابی کی عادت اسرائیلیات روایت کرنے کی بھی نہیں ہے تو وہ امر حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور جو مٹھی سے زیادہ ہوتی اسے کٹوا دیتے اور اسی طرح ابوہریرہؓ سے بھی ثابت ہے۔۔۔۔۔ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کے فعل اور روایت میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ: آنحضرت ﷺ کی حدیث میں جو داڑھی کٹوانے کی ممانعت ہے تو وہ جڑ سے کٹوانے کی ممانعت ہے (جیسا کہ آجکل عام رواج ہو رہا ہے) اور مطلقاً

کٹوانے کی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ راویانِ حدیث سے ثابت ہے اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک شخص کی داڑھی کم کرائی تھی''۔

چنانچہ اچھی طرح غور کرلو! تمہارے مرشدِ شہیر'' مولوی ثناء اللہ امرتسری'' نے اپنے فتاویٰ میں ''منفرد صحابی'' کے عمل کو بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا درجہ دیدیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ: اس عمل کا صدور'' سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ'' سے بھی ہوتا رہا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ: تمہارے اپنے شیخ کے نزدیک بھی بلاشبہ یہ عمل ''منفرد صحابی'' کا نہیں بلکہ اس میں دوسرے کبار صحابہ کرام بھی شریک تھے چنانچہ اسی بات کی تائید تو تمہارے ایک اور مستند و معتمد فتاویٰ سے بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ!

(i)۔ ''فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری'' جلد 1 صفحہ نمبر 229 میں بھی کی گئی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ: ''داڑھی اتنی کتروانی کہ: ایک مشت رہ جائے بعض صحابہ سے ثابت ہے''۔

(ii)۔ نیز ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 128 میں مزید یوں بھی ہے کہ: ''فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ: پھر طبری نے اس حدیث کی سند کو عبداللہ بن عمر تک پہنچایا کہ: انہوں نے خود یہ فعل کیا اور حضرت عمرؓ تک کہ: انہوں نے کسی اور شخص سے یہ فعل کیا، اور ابوہریرہؓ کے طریق سے مروی ہے کہ: انہوں نے بھی یہ فعل کیا''۔

چنانچہ دیکھ لو! داڑھی کے معاملے میں جو انصاف تم سے نہ ہو سکا وہ تمہارے شیوخ کے

''فتاویٰ'' نے کر دکھایا، اور اسی مؤقف پر اہلِ علم کا فتویٰ بھی نقل کر دیا، چنانچہ کہاں تمہارا ''عملِ صحابہ'' کو رسول اللہ ﷺ کا مدِ مقابل بنا کر منفرد قرار دینا اور کہاں تمہارے مرشد کا فعلِ صحابی کو رسول اللہ ﷺ کا تعلیمی فعل قرار دینا۔

ایک گستاخی اور اس کا محاسبہ:۔

پھر تمہارے ظلم کی انتہاء بھی کیا؟ کہ خود تم نے اپنے فتوٰی میں اپنے مسلک بنام ''اہل الحدیث'' کی مدح سرائی اور حجیتِ صحابہ کے خلاف جو رونا رویا وہ عداوت و بغاوت سے کم نہیں!۔۔۔۔۔کہ:

''اہل الحدیث'' مذہب ہے :''**اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیائ**'' اور حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے :''**ولقد عفا عنکم**'' ، ''**ویکفر عنھم سیأتھم**''۔

میں کہتا ہوں کہ: مذکورہ بالا عبارت کے پیشِ نظر تم نے اپنے مسلک کو ''متبع قرآن وسنت'' اور صحابہ کرام کو ''عنداللہ معذور اور شرعاً مجبور'' قرار دیا۔

خدا کی پناہ!۔۔۔۔۔اپنے بارے میں وہ خوش فہمی؟۔۔اور۔۔۔۔۔اللہ!، اللہ!۔۔۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ زہر؟۔۔۔۔یہ کہاں کی اتباعِ نبوی ﷺ ہے؟ اللہ پاک کسی دشمن کو بھی ایسا سرکش نہ بنائے!۔۔۔۔خبردار! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ بدگمانی جان لیوا نہیں بلکہ ''ایمان لیوا'' ہے۔

کیا تم نے غور نہ کیا کہ: ''ریس میں دوڑے اندھے گھوڑے'' کی طرح تمہاری اس خباثت نے حضرات صحابہ کرام کو کون سے طبقے میں داخل وشامل کر دیا، تعجب ہے کہ: ایک طرف تو تمہارے ''مرشد'' محض ''منفرد صحابی'' کے عمل کو بھی حدیث مرفوع کا درجہ دے بیٹھے اور دوسری جانب تم نے پوری جماعتِ صحابہ کو خطا کار قرار دے ڈالا۔

میں پوچھتا ہوں کہ: آسمانِ ہدایت کے ستارے اور رسول اللہ ﷺ کے پیارے اصحابِ پیغمبر ﷺ رضی اللہ عنہم اجمعین اگر ایمان وتقویٰ میں کامل نہ تھے تو تمہیں ایمان وتقویٰ اور اعتماد واستناد کی ڈگری کس نے جاری کر دی؟ عقل سے کام لو! آثارِ صحابہ کی حجیت کے انکار میں تمہارا یہ تشدد رافضیوں سے کچھ کم نہیں۔

قسم اس ذات کی جس نے ہمیں ''اہلسنت وجماعت'' میں پیدا فرمایا! ہم صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اس عقیدہ کو ہی نجات کا سامان سمجھتے ہیں کہ قرآن کی زبان میں وہ ہمارے لئے ایمان وتقویٰ کا اعلیٰ ترین معیار ہیں، چنانچہ جس کا عمل عملِ صحابہ کے ترازو پر پورا نہیں اترتا وہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا امین وعامل ہی نہیں کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی پیروی اللہ ہی کی پیروی ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی پیروی بھی رسول اللہ ﷺ ہی کی پیروی قرار پائی ہے۔

لہذا خدا کا خوف کرو! اور اپنے پورے فتوے پر انصاف کے ساتھ غور کر کے ذرا نظرِ ثانی کرو! کہ حدیث دانی کی آڑ میں عقل وشعور کا سہارا کس جگہ لیا گیا ہے؟ یہ بھی جاننے کی کوشش نہ کی کہ: اس بارے جمہور علماء کا مسلک کیا ہے؟ بلکہ اپنے اکابر کی عباراتِ صریحہ کو بھی نظر انداز کر دیا، اور خواہ مخواہ مطابقت کو مخالفت اور رخصت کو عزیمت میں بدل کے رکھ دیا، یہ ہے صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے دوری کا وبال،

امام شافعی کا مقولہ یاد آیا،کیا خوب فرمایا: ''**الحدیث مضلة الا للفقہائ**''
فقہاء کے بغیر حدیث بھی گمراہ کردیتی ہے اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ:
فقہاء کا دامن چھوڑ کر حدیث دان بننے کی کوشش کرنا فقط گمراہی ہے۔
پھر چونکہ تم نے تو اپنے سابقہ دعووں پر سوائے عمومیتِ اعفاء کے کوئی اور دلیل نہیں دی اور ہمارے پیش کردہ آثار کو بلا دلیل ہی رد کرنے کی کوشش میں وقت اور صفحے برباد کئے،لہذا اہم مزید مدلل انداز کے ساتھ آثارِ صحابہ پیش کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے کہ: یہ ''منفرد'' صحابی کا عمل ہے یا متعدد صحابہ کا اوراس کے ساتھ ساتھ ہم ان شاء اللہ العزیز انہی آثار کی تائید میں تابعین کرام وعلماء امت کے اقوال وافعال بھی پیش کریں گے تاکہ حق الیقین حاصل ہو جائے۔
نیز باقی رہا حج وعمرہ کی قید کا مسئلہ تو وہ بھی ان شاء اللہ العزیز اپنے مقام پر خوب وضاحت کے ساتھ بیان کردیا جائے گا۔

(فصل)

خلفاءراشدین کی
مبارک داڑھیاں

ہمارا دعویٰ ہے کہ: حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کی مبارک داڑھیاں بھی میانہ روی کا بہترین نمونہ تھیں اور حدِ اعتدال سے کم یا زیادہ نہ تھیں، لیکن ہوسکتا ہے کہ: تمہیں چندِ عباراتِ متداولہ سے یہ وہم ہوجائے کہ: خلفاء راشدین کی ریشہائے مبارکہ زیادہ طویل تھیں جیسا کہ:

(1)۔

"**احیاء العلوم**" اور "**قوت القلوب**" میں ہے کہ: "**وفی وصف رسول اللہ ﷺ انہ کان کث اللحیۃ وکذالک ابو بکر وکان عثمان طویل اللحیۃ دقیقھا وکان علی عریض اللحیۃ قد ملأت ما بین منکبیہ**" یعنی (رسول اللہ ﷺ کی صفت مبارک یہ ہے کہ: آپ ﷺ گھنی داڑھی والے تھے اور اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ باریک لمبی داڑھی والے تھے اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ چوڑی داڑھی والے تھے جو آپ کے دونوں کندھوں کو بھر دیتی تھی)۔

(احیاء العلوم للغزالی جلد1 صفحہ160)

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2 صفحہ240)

(2)۔

نیز شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: "لحیہ ٔ امیر المؤمنین علی پُر می کرد سینہ او را وہم چنیں عمر وعثمان رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین" (امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی ان کے سینہ کو بھر دیتی تھی، اسی طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی مبارک داڑھیاں تھیں)"۔

(مدارج النبوۃ لعبد الحق الدہلوی حصہ 1 صفحہ 14)

(3)۔

نیز ”طبقات ابن سعد“ جلد 2 صفحہ نمبر 16 وغیرہ میں مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”**طویل اللحیۃ**“ کے الفاظ روایت کئے گئے ہیں۔

الجواب:۔

تو میں کہتا ہوں کہ: ان منقولات سے بلا شک وشبہ یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ: خلفاء راشدین کی ”**لحیات مبارکات**“ مشت سے کم نہ تھیں البتہ سابقہ عبارات سے یہ بالکل بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ: ان بزرگ حضرات کی داڑھیاں حدِ اعتدال سے متجاوز اور بے حد لمبی تھیں، کیونکہ!

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک:

احیاء العلوم اور قوت القلوب کی

سابقہ عبارات میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال ہونے والے لفظ ”**کذالک**“ کا عطف ”**کث اللحیۃ**“ پر ہی ہے اور کوئی مائی کا لعل ثابت تو کرے کہ: ”**کث اللحیۃ**“ سے حدِ اعتدال سے متجاوز بے جا طوالت آخر مراد کیسے ہوسکتی ہے؟ حالانکہ ہم سابق میں اسی لفظ ”**کث اللحیۃ**“ کی نفیس بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ: ”**کث اللحیۃ**“ بھی حدِ اعتدال سے متجاوز کے معنیٰ میں مراد نہیں لیا جاسکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 350 میں آپ رضی اللہ عنہ کے لئے

''**خفیف العارضین**'' کے الفاظ بھی روایت کئے گئے ہیں جن کا معنیٰ اہلِ لغت کے نزدیک ''ایک مشت تک ہلکی داڑھی والا'' بھی کیا جاتا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک:

گزشتہ عبارات سے بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ جناب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک بھی حدِ اعتدال سے متجاوز تھی کیونکہ مدارج کی پیش کردہ عبارت میں ''ہم چنیں'' کا لفظ بھی ماقبل سے متعلق ہے اور وہاں بھی داڑھی کے سینہ سے متجاوز ہونے کا کوئی ذکر نہیں اس کے علاوہ ہم آئندہ بحث میں مستند کتب کے حوالے سے جمہور علماء کی تائید یافتہ روایت کے سہارے یہ ثابت کردیں گے کہ: سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود بھی اخذِ لحیہ کے قائل تھے اور سختی سے اس پر عمل کرتے کرواتے تھے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین اور سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی مبارک داڑھیاں:

اسی طرح سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور مولیٰ علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو''**طویل اللحیۃ**'' کے لفظ گزرے ہیں ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ: آپ رضی اللہ عنہما کی داڑھیاں حدِ اعتدال سے متجاوز تھیں، ورنہ سیر کی روایاتِ مشہورہ متداولہ میں ان حضرات کی داڑھیوں کا ''سینہ تک'' ہونا ثابت ہے اور شیخِ محقق کا فرمان بھی اسی صراحت کا مؤید ہے جو مدارج النبوۃ کے حوالے سے گزر چکا۔

چنانچہ اگر ان حضرات کی داڑھیاں واقعی حدِ اعتدال سے متجاوز اورطویل تھیں تو ان کیلئے روایاتِ مستندہ میں ''سینہ تک'' کی قید لگانے کا مطلب کیا ہوتا؟ پھر تو راویوں کی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ یہ امر بھی واضح کردیتے کہ: ان بزرگوں کی داڑھیاں سینہ سے بھی متجاوز تھیں، حالانکہ ایسا کچھ بھی کسی سے بھی ثابت نہیں، اگر ہے تو پھر دیر کس بات کی؟ ''**فأتوا برهانكم ان كنتم صادقين**''، نیز اگر خلفاء راشدین میں سے کسی سے بھی ایسا کچھ مروی ہوتا تو پھر داڑھیوں کو بے حد طویل کرنا خلفاء راشدین کی سنت کہلاتا اور اگر واقعی ایسا ہوتا تو یہ کوئی ایسی بات نہ رہتی جو بہت شاذ لوگوں کو معلوم ہو حالانکہ اس پر بھی اہلِ علم میں سے کسی نے ایک لفظ تک نہیں کہا کہ ''خلفاء راشدین کی داڑھیاں بے حد لمبی تھیں'' نیز جب خود جنابِ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ وتابعین کے آثار اور جمہور علماء کی آراء ''ندائے نادی'' کی طرح پکار پکار کر داڑھی کے حدِ اعتدال تک ہونے کی ''اذانِ حق'' دے رہے ہیں تو بھلا ''**طویل اللحیۃ**'' کے روایت کردہ الفاظ سے بھلا ''سینے سے متجاوز'' کا معنیٰ خواہ مخواہ کیونکر مان لیا جائے بالخصوص جس پر کسی کی بھی تصریح موجود نہ ہو؟ لہذا اب لفظ ''**طویل اللحیۃ**'' کو کفار کے طریقے ''**قص اللحیۃ**'' کے خلاف پر ہی محمول کیا جائے گا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ: ''خلفاء راشدین کی داڑھیاں محض حدِ اعتدال تک ہی طویل تھیں''۔

اسی پر الشیخ ابوطالب المکی اور امام غزالی تحریر کرتے ہیں کہ: ''**قد ذكر فى بعض الاخبار: "ان لله تعالىٰ ملائكة يقسمون والذى زين بنى آدم باللحى" ويقال: ان اللحية من تمام خلق الرجل وبها تميز الرجال من النساء**

فی ظاہر الخلق ، فی وصف رسول اللّٰہ ﷺ انہ کان کث اللحیۃ ، وکذالک کان ابوبکر وکان عثمان طویل اللحیۃ دقیقھا وکان علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عریض اللحیۃ قد ملأت مابین منکبیہ‘‘۔

(قوت القلوب لابی طالب المکی جلد2صفحہ240)

(احیاء العلوم للغزالی جلد1 صفحہ160)

یعنی (بعض احادیث میں آیا ہے کہ: اللہ کے کچھ فرشتے یوں قسم اٹھاتے ہیں کہ اس ذات کی قسم! جس نے اولادِ آدم کو داڑھیوں سے سجایا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: داڑھی مردانگی کا کمال ہے اور ظاہری صورت میں اسی سے مردوں اور عورتوں کا فرق نمایاں ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی تھی ، اور اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بھی تھی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک لمبی لیکن ایک مشت تک دقیق (چھوٹی) تھی اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک چوڑی تھی جو سینہ کو بھر دیتی تھی)۔

غور کرو! الشیخ ابوطالب المکی، امام غزالی اور شیخِ محقق دہلوی کا ’’سینہ بھر دینے‘‘ کی قید لگانے سے مراد کے بارے میں بھی الحمدللہ ہم سابق میں دلائل کے ذریعے اچھی طرح کلام کر چکے ہیں کہ: سینہ سے مراد ’’نحر‘‘ یعنی سینہ کا بالائی حصہ ہی مراد لیا جائے گا جو فقط ایک مشت سے ہی بھر جاتا ہے اور اسی پر جمہور اہلِ علم وائمہ لغت کا فتویٰ ہے، اسی طرح لفظ ’’دقیق‘‘ کا اطلاق جب داڑھی کے معاملے میں کیا جائے تو اس سے ایک مشت تک ہلکی داڑھی ہی مراد لی جائے گی جیسا کہ سابق میں تسلی بخش بحث کی جا چکی ہے لہذا اصحابِ عقل وشعور کیلئے یہی جواب کافی وشافی ہے ’’بحمدہ تعالیٰ‘‘۔

(فصل)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اوراخذِ لحیہ

(1)۔

امام بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں کہ: ”**روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انہ رأی رجلا قد ترک لحیتہ حتی کبرت فاخذ یجذبھا ثم قال: ائتونی بحلمتین ثم امر رجلا فجز ما تحت یدہ ثم قال: اذھب فاصلح شعرک**“۔

(عمدۃ القاری للعینی جلد22 صفحہ72)

یعنی (حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ: بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنی داڑھی کو اتنا بڑھا رکھا تھا کہ: وہ بڑی ہو چکی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسکی داڑھی کو پکڑا اور فرمایا کہ: مجھے کوئی اوزار دو پھر آپ نے ایک شخص کو حکم دیا جس نے آپ کی مشت سے زائد بال اسکی داڑھی سے کاٹ دیئے پھر آپ ری اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ چلے جاؤ اور آئندہ اپنے بالوں کو نکھار سنوار کر رکھنا)۔

(2)۔

چنانچہ الشیخ علامہ سراج الدین ابن ملقن بھی اس روایت کو نقل کرتے ہیں کہ: ”**وروی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انہ رأی رجلا قد ترک لحیتہ حتی کثرت فاتخذ یجذبھا ثم قال: ائتونی بحلمتین! ثم امر رجلا فجز ما تحت یدہ، ثم قال: اذھب فاصلح شعرک**“۔

(التوزیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد28 صفحہ116)

یعنی (حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ: بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنی داڑھی کو اتنا بڑھا رکھا تھا کہ: وہ بڑی ہو چکی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسکی داڑھی کو پکڑا اور فرمایا کہ: مجھے کوئی اوزار دو پھر آپ نے ایک شخص کو حکم دیا جس نے آپ کی مشت سے زائد بال اسکی داڑھی سے کاٹ دیئے پھر آپ ری اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ چلے جاؤ اور آئندہ اپنے بالوں کو نکھار سنوار کر رکھنا)۔

(3)۔

اسی روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام طبری کے حوالے سے برقرار رکھتے ہوئے نقل کیا کہ: ’’**فقد قال الطبری: ذہب قوم الی ظاہر الحدیث فکرہوا تناول شیء من اللحیۃ من طولھا و من عرضھا و قال قوم: اذا زاد علی قدر القبضۃ یؤخذ الزائد ثم ساق بسندہ الی ابن عمر انہ فعل ذالک و الی عمر انہ فعل ذالک برجل و من طریق ابی ہریرۃ انہ فعلہ**‘‘۔

(فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد10 صفحہ395)

یعنی (چنانچہ امام طبری کہتے ہیں کہ: کچھ لوگ حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں چنانچہ وہ داڑھی کے طول و عرض سے لینا مناسب نہیں سمجھتے حالانکہ ایک گروہ کا قول ہے کہ: جب اس کے بال ایک مشت سے زیادہ ہو جائیں تو انہیں تراش لیا جائے پھر امام طبری نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ثابت کیا کہ انہوں نے خود اپنی داڑھی کو تراشا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت کیا

کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک شخص کے ساتھ ایسا کیا تھا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی ثابت کیا کہ بلاشبہ انہوں نے بھی ایسا کیا تھا)۔
(4)۔

نیز اس روایت کو الشیخ شارح الحدیث امام قسطلانی نے بھی برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ: ''**یجوز کسرھا ای زاد علی القبضۃ اخذہ بالمقص او نحوہ وروی مثل ذالک عن ابی ہریرۃ وفعلہ عمر رضی اللہ عنہ برجل**''یعنی (داڑھی کو کاٹنا جب وہ مشت سے زائد ہوجائے تو اسے قینچی وغیرہ کے ساتھ تراشنا جائز ہے کیونکہ ایسا ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ایسا ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ساتھ کیا تھا)۔

(ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی جلد 8 صفحہ 464)

میں کہتا ہوں کہ: چونکہ یہ روایت شرع شریف کے کسی طور بھی مخالف نہیں اسی لئے اس واقعے کو مستند و ماہر علماء حدیث نے نقل کر کے اسے ثبات وقرار بخشا، بس یہی امر اس روایت کی مقبولیت کے لئے کافی وشافی ہے، فللہ الحمد۔

(فصل)

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اور اخذِ لحیہ

’’**عن سماک بن یزید قال :کان علی رضی اللّٰہ عنہ یأخذ من لحیتہ**‘‘ سماک بن یزید فرماتے ہیں کہ: سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو تراشا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ نمبر108)

ہم نے مصنف ابن ابی شیبہ کی اس روایت کو پیش کیا تو تم نے اپنے فتوی میں تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس روایت پر یہ الزام لگا دیا کہ:

’’یہ بہت بڑا جھوٹ ہے‘‘

یہ الفاظ لکھتے وقت خدا کا خوف کیوں نہیں آیا؟ حیرت ہے کہ بغیر سوچ سمجھے فقط تعصب کی وجہ سے ’’جھوٹ‘‘ بلکہ ’’بہت بڑا جھوٹ‘‘ کا لیبل لگا ڈالا، ذرا اس روایت کی پوری سند بھی ملاحظہ ہو چنانچہ علامہ ابن ابی شیبہ لکھتے ہیں کہ ’’**عبد الرحمن بن مھدی، عن زمعۃ، عن ابن طاؤس، عن سماک بن یزید**‘‘ اب بتاؤ اس پوری سند میں کونسا راوی متہم بالکذب ہے؟

حالانکہ یہ تمام راوی مقبول ہیں جن میں سے ’’**عبد الرحمن بن مھدی**‘‘ جس کا پورا نام ’’**ابو سعید عبد الرحمن بن مھدی بن حسان بن عبد الرحمن الازدی المصری اللؤلؤی**‘‘ ہے اسے سیر اعلام النبلاء جلد 7 صفحہ 579 میں ’’**سید الحفاظ، الناقد، الامام، الحجۃ، قدوۃ فی العلم والعمل**‘‘ کہا گیا ہے۔

دوسرا راوی ’’**زمعۃ**‘‘ جس کا پورا نام ’’**زمعۃ بن صالح الجندی المکی الیمانی**‘‘ ہے اسے تہذیب التہذیب جلد 2 صفحہ 489، میزان الاعتدال

جلد 3، الکامل فی الضعفاء لابن عدی جلد 4 صفحہ 197 میں اگرچہ ضعف کا نشانہ بنایا گیا ہے اس کے باوجود اسے ''**صویلح الحدیث، اصلح حدیثا من صالح، جائز الحدیث مع الضعف، لا بأس بہ، رجل صالح**'' بھی کہا گیا ہے، البتہ کسی ایک نے بھی اسے ''جھوٹا'' یا ''وضاع'' نہیں کہا۔ بلکہ ابن عدی کہتے ہیں کہ: ''**ان حدیثہ صالح لا بأس بہ**'' اس کی روایات اچھی ہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔

تیسرا راوی ''**ابن طاؤس**'' جس کا پورا نام ''**ابو محمد عبد اللّٰہ بن طاؤس الیمانی**'' ہے، اسے سیر اعلام النبلاء جلد 6 صفحہ 258 میں ''**الامام، المحدث، الثقۃ**'' کہا گیا ہے۔

نیز اس روایت کا چوتھا اور آخری راوی ''**سماک بن یزید**'' جس کا پورا نام اکثر ائمہ فن کے مطابق ''**ابو زمیل سماک بن ولید الیمامی الحنفی الکوفی**'' ہے، لیکن دارقطنی کے مطابق اس کا نام ''**سماک بن زید**'' ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب جلد 3 صفحہ 69 رقم 3081 میں ہے، اور علامہ جمال الدین المزی ''تہذیب الکمال'' جلد 4 صفحہ 438 رقم 2585 میں ''سماک بن ولید یمامی'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''**وقال الدارقطنی: وقیل: سماک بن یزید، قال ذاک احمد بن حنبل عن عبد الوھاب بن ھمام**'' یعنی دارقطنی کہتے ہیں کہ: بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام ''**سماک بن یزید**'' ہے اور ایسا امام احمد بن حنبل نے عبد الوہاب بن ھمام سے روایت کیا ہے۔

پھر انہیں تہذیب التہذیب اور تہذیب الکمال میں ''**ثقۃ، لا بأس بہ، صدوق**

’’کہا گیا ہے، ’’**سماک الیمامی**‘‘ کو میزان الاعتدال جلد 3 صفحہ 327 رقم 3554 میں ’’**صاحب ابن عباس**‘‘ بھی کہا گیا ہے ، ابن حبان نے انہیں ’’کتاب الثقات‘‘ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ فنِ رجال کی معتبر کتب کے مطابق ’’**سماک الیمامی**‘‘ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسی شخصیات کی بارگاہ سے فیض یافتہ ہے، اور تہذیب التہذیب ’’**سکن الکوفۃ**‘‘ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ان کی ملاقات حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہے۔ اس توضیح کا ماحصل یہ ہے کہ یہ راوی بھی ثقہ ہے۔

مولوی صاحب ! جب اس روایت کی پوری سند میں کوئی ایک راوی بھی ’’**متہم بالکذب**‘‘ نہیں، تو پھر جھوٹ کیسا؟ تو کیا یہ بھی ہمیں ہی بتانا پڑے گا کہ حکمِ کذب ووضع لگانے کیلئے سب سے پہلے کسی راوی کا وضاع وکذاب ہونا اس سند میں ثابت ہونا چاہیے، لیکن بجائے رواۃ پر جرح کئے صرف ’’**ملأت صدرہ**‘‘ کی خودساختہ مراد کو بہانہ بنا کے اخذِ لحیہ جیسے مشہور معروف عمل کو ’’بہت بڑا جھوٹ‘‘ کہہ دینا ظلم وزیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ متنِ روایت میں بھی وضع کی کوئی علامت نہیں۔

یہ ’’جھوٹ‘‘ لکھنے سے پہلے تمہیں ان دو باتوں پر ہی غور کر لینا چاہیے تھا کہ!

(1):۔ ’’اخذ واعفاء میں کوئی منافات بھی نہیں‘‘۔

(2):۔ ’’بغیر کاٹے پوری زندگی سینے سے متجاوز نہ ہونا بھی غیر ممکن ہے‘‘۔

اگر تم اس روایت کو ضعیف بھی کہہ لیتے تو بھی اسکی مقبولیت کے سوا کوئی چھٹکارہ نہ تھا کیونکہ جمہور علماء کا یہ طریقہ ہے کہ: وہ موافقِ شرع مضمون والی روایات کو باوجود

ضعف کے قبول فرمالیا کرتے ہیں،متعدد میں سے یہاں صرف ایک مثال پیشِ خدمت ہے چنانچہ ''الشیخ علامہ سراج الدین ابن ملقن نے بخاری شریف کی اپنی شرح ''**التوضیح لشرح الجامع الصحیح**'' جلد 28 صفحہ 117 میں امام باقر رضی اللہ عنہ کا داڑھی تراشنے والا عمل ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے باوجود ضعف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''**وھذا الحدیث ان کان فی اسنادہ نظر فھو جمیل من الامر و حسن من الفعل**'' یعنی (اگر چہ اس حدیث کی سند میں کچھ خامی ہے لیکن یہ (داڑھی کے زوائد تراشنا) جمالِ امر اور حسنِ فعل کی علامت ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**حسن الظن من حسن العبادۃ**'' (حسنِ ظن بہترین عبادت ہے) چنانچہ آنکھیں پھاڑ کے دیکھ لو! ایک طرف تو حدیث کے ایک ماہر امام باوجود ضعف کے اس حدیث کو موافقِ شرع ہونے کی وجہ سے حسنِ ظن اور وسیع ظرفی کی بناء پر قبول فرمارہے ہیں بلکہ داد و تحسین بھی دے رہے ہیں اور دوسری جانب تمہاری تنگی نظری اور تنگ علمی یہ ہے کہ: قابلِ استدلال و لائقِ عمل روایات کے فیض سے محروم ہو کر حدیثِ مستدل و متداول کو بغیر کسی وجہ کے ''بہت بڑا جھوٹ'' قرار دے دیا، افسوس، صد افسوس! بہر حال اہلِ حق کیلئے حق واضح ہو چکا کہ: سیدنا مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے بھی داڑھی تراشنا ثابت ہے۔

(فصل)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اور اخذِ لحیہ

”عن ابی زرعة قال: کان ابو ھریرة یقبض علی لحیته ثم یأخذ ما فضل عن القبضة“ یعنی (ابوزرعہ سے روایت ہے کہ: جناب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور زائد بالوں کو تراش لیا کرتے تھے)

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6 صفحہ108، 109 رقم2، 9)

(شعب الایمان للبیھقی جلد5 صفحہ220 رقم6432)

(فتح الباری لابن حجر عسقلانی جلد10 صفحہ395)

(عمدة القاری لبدر الدین العینی جلد22 صفحہ72)

(ارشاد الساری للقسطلانی جلد8 صفحہ464)

(منحة الباری شرح بخاری للنووی جلد9 صفحہ121)

چنانچہ اس حدیث کی سند و متن میں بھی کوئی ایسا عیب نہیں تھا جس کی وجہ سے اس کو رد کردیا جاتا نیز اس حدیث کو مستند ائمہ مثلاً! امام ابن جریر طبری، امام بیہقی، امام ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام بدرالدین عینی، امام نووی، امام ابن ابی شیبہ اور امام ملاعلی قاری وغیرہم نے بلا تنقید قبول کر کے استدلال قائم کیا ہے، لیکن تم نے اس روایت کا بھی کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اسے ایامِ حج پر محمول کرتے ہوئے رد کردیا حالانکہ ہماری پیش کردہ اس روایت میں حج کا ذکر بھی نہیں، نیز ایامِ حج کے ساتھ داڑھی تراشنے کا کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ اس پر تسلی بخش کافی و شافی و مدلل بحث آگے آئے گی۔

------ان شاء اللہ العزیز------

(فصل)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما

اوراخذِ لحیہ

’’واخرج سعید بن منصور وعبد بن حمیدوابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما ، انہ قال فی التفث: حلق الرأس والاخذ من العارضین۔۔۔‘‘یعنی (سعید بن منصور،عبد بن حمید،ابن جریر،ابن منذر اور ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہما نے ’’**التفث**‘‘ کے بارے میں فرمایا: وہ سر منڈانے اور داڑھی کی دونوں طرفیں تراشنے۔۔۔کو کہتے ہیں)۔

(تفسیر ابن جریر الطبری جلد8صفحہ184رقم25122)

(تفسیر در منثور للسیوطی جلد6صفحہ38سورہ حج)

میں کہتا ہوں کہ: یہ روایت اگرچہ حج سے فراغت کے سلسلے میں نقل کی گئی ہے،لیکن جس طرح سر کے بال کاٹنا یا منڈانا ، زیرِ ناف بال صاف کرنا،مونچھیں پست کرنا، بغلوں کے بال صاف کرنا اور ناخن تراشنا وغیرہ حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی جائز ومشروع ہیں صرف حج کے ساتھ ہی خاص نہیں،اسی طرح داڑھی کے زوائد تراشنا جس طرح حج سے فراغت پر جائز ہے اسی طرح دوسرے دنوں میں بھی جائز ومشروع ہے،مزید مدلل بیان آگے آئے گا کہ: داڑھی کا مناسکِ حج سے کوئی تعلق نہیں البتہ ان کا ذکر مناسکِ حج کے ساتھ صرف اسلئے کیا جاتا ہے تاکہ دوسرے بڑھے ہوئے بالوں کے ساتھ انہیں بھی تراش کر طوالت کی قباحت وکراہت سے بچا جائے۔(کماسنذکر)

نیز سابق میں ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک مرفوع روایت بھی پیش کرچکے ہیں کہ: آدمی کی خوش بختی اس کی داڑھی کے ایک مشت تک ہلکا ہونے میں ہی ہے،جس کا مدلل بیان سابق میں گزر چکا۔

(فصل)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ

اور اخذِ لحیہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث دو راویوں سے مروی ہے!

(1)۔

"عن قتادۃ قال: قال جابر: لا نأخذ من طولها الا فی حج او عمرۃ" یعنی (حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم داڑھیوں کی لمبائی کو حج یا عمرہ سے فراغت پر تراش لیا کرتے تھے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6 صفحہ109 رقم8)

(2)۔

"عن ابی الزبیر، قال جابر: کنا نعفی السبال الا فی حج او عمرۃ" یعنی (حضرت ابوالزبیر فرماتے ہیں کہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم داڑھیوں کی لمبائی کو چھوڑ دیا کرتے تھے مگر حج یا عمرہ سے (فراغت پر تراش لیا کرتے تھے))۔

(سنن ابی داؤد صفحہ829 رقم4201)

(فتح الباری شرح صحیح بخاری للعسقلانی جلد10 صفحہ395)

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ: "السبال" سے مراد داڑھی کے زائد بال ہیں جیسا کہ گزر چکا، نیز تخصیصِ حج و عمرہ والے امر پر تسلی بخش کلام ان شاء اللہ العزیز آگے ہوگا، بہر حال الحمدللہ یہاں سے بھی حکمِ اعفاء کی عمومیت میں تخصیص البعض ثابت ہوگئی جیسا کہ ہمارا موقف تھا۔

(فصل)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

اور اخذِ لحیہ

''کان ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ'' یعنی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیتے)۔

(صحیح بخاری صفحہ نمبر 1036)

الحمدللہ ہم نے صحیح بخاری سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی بطور دلیل پیش کیا کہ: آپ رضی اللہ عنہما بھی داڑھی تراشا کرتے تھے بیشتر روایتوں میں حج اور عمرہ کا ذکر ہے جس کی وجہ سے بالخصوص تمہارے فہم وشعور میں یہ وہم پیدا ہو گیا کہ: شاید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فقط حج یا عمرہ سے فراغت پر ہی داڑھی تراشنے کے جواز کے قائل ہوں عام حالات میں نہیں!

تو میں کہتا ہوں کہ: یہ قطعاً وہم ہے اور روایات پر عدمِ توجہی کی علامت ہے، چنانچہ ہم اس وہم کو رفع کرنے کیلئے اور حقیقتِ حال کی جانب توجہ مبذول کرانے کیلئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے داڑھی تراشنے والی روایات کا تجزیہ کرتے ہیں چنانچہ! حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی داڑھی تراشنے کو روایت کرنے والے چند حضرات ہیں مثلاً!

(1)۔ ''نافع'' (2)۔ ''مروان بن سالم المقفع''

(3)۔ ''الہیثم'' (4)۔ اور ان کے علاوہ اسی سلسلے کے ایک اور راوی ''عبدالکریم الجزری'' بھی ہیں اور یہ اُسی حجام سے روایت کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بالوں کو تراشا کرتا تھا۔

(5)۔ اسی طرح کا مضمون غالباً ''مجاہد'' سے بھی روایت ہے۔

بہرحال ”نافع“ کی روایتوں میں خود دو طرح کا مضمون ہے بعض میں حج وعمرہ کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں، لیکن میری معلومات کے مطابق بقیہ چاروں راویوں کی روایت میں صرف ایک ہی طرح کا مضمون ہے جس میں حج یا عمرہ کا ذکر نہیں ہے، یعنی اب ہمارے پاس دو طرح کی روایتیں ہیں پہلی وہ جن میں حج، عمرہ کا ذکر ہے اور دوسری وہ جن میں حج، عمرہ کا ذکر بالکل نہیں۔ چنانچہ!

(1)۔ حج وعمرہ کے ذکر والی روایتیں!

”عن نافع قال: کان ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ“ یعنی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیتے)۔

(صحیح بخاری صفحہ نمبر 1036)

(المؤطا الامام مالک بن انس صفحہ 421 ”التقصیر“)

(المؤطا الامام محمد بن حسن الشیبانی صفحہ 220)

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ 409، 411)

(شعب الایمان للبیہقی جلد 5 صفحہ 220 رقم 6435، 6437)

(شعب الایمان للبیہقی جلد 5 صفحہ 223 رقم 6450)

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 5 صفحہ 259 رقم 9403)

(2)۔ حج وعمرہ کے عدمِ ذکر والی روایتیں!

(i)۔ **”عن نافع قال: کان ابن عمر یقبض ھکذا و یأخذ ما فضل عن القبضۃ و یضع یدہ عند الذقن“** یعنی (حضرت ابن عمر رضی

اللہ عنہما اس طرح اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مٹھی سے زائد بال ہوتے ان کو تراش لیا کرتے اور اپنا ہاتھ ٹھوڑی کے بالکل ساتھ رکھا کرتے تھے)۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد2صفحہ409، 411)

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ109رقم7)

(جامع المسانید لخوارزمی جلد2صفحہ441، 466رقم1690، 1724)

(کتاب الآثار لابی یوسف جلد2صفحہ699رقم990، 992، 995)

(کتاب الآثار لامام محمد صفحہ192 باب الرقیہ من العین)

(ii)۔ ’’عن الهيثم عن ابن عمر رضى الله عنهما : انه كان يقبض على لحيته ثم يقص ما تحت القبضة‘‘ یعنی (ہیثم سے روایت ہے کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو پکڑ کر مٹھی سے زائد بالوں کو کاٹ لیتے تھے)۔

(جامع المسانید للخوارزمی جلد2صفحہ445رقم1697)

(کتاب الآثار لمحمد بن حسن الشیبانی صفحہ194)

(کتاب الآثار لابی یوسف جلد2صفحہ699رقم991)

(iii)۔ ’’عن مروان المقفع قال : رأيت ابن عمر يقبض على لحيته فيقطع مازاد على الكف‘‘ یعنی (مروان المقفع کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی داڑھی کو پکڑا اور ہتھیلی سے زائد بالوں کو کاٹ دیا)۔

(سنن ابی داؤد صفحہ479رقم2357)

(شعب الایمان للبیھقی جلد5صفحہ220رقم6436)

(عارضہ الاحوذی شرح ترمذی للمالکی جلد10 صفحہ162)

(iv)۔ ’’عن عبد الکریم الجزری قال اخبرنی الحجام الذی کان یأخذ من لحیۃ ابن عمر ما فضل عن القبضۃ‘‘ یعنی (عبد الکریم الجزری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حجام نے خبر دی کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی داڑھی کے مٹھی سے بڑھے ہوئے بالوں کو تراش دیا کرتا تھا)۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد2 صفحہ409)

توجیہ:۔

ان دونوں طرح کی روایتوں سے کئی احتمالات جنم لیتے ہیں!

(i)۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: یہ دونوں قسم کی روایتیں دراصل مختلف نہ ہوں بلکہ ایک ہی موقع کی تفصیل ہوں، اور واقعی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا داڑھی تراشنے کا فعل حج وعمرہ سے ہی مروی ہو لیکن بعض میں موقع کا ذکر کر کے تفصیلاً روایت کر دیا گیا ہو اور بعض کو مجمل چھوڑ دیا گیا ہو۔

(ii)۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: یہ مختلف مواقع کی الگ الگ روایتوں کی کڑیاں ہوں یعنی جن روایتوں میں حج وعمرہ کا ذکر ہے ان کا تعلق تو یقیناً اسی موقع پر داڑھی تراشنے سے ہو لیکن جن میں حج وعمرہ کا بیان نہیں تو وہ عام حالات سے متعلق ہوں۔

بہرحال ہمیں ان دونوں صورتوں سے کوئی تکلیف نہیں بلکہ اگر یہ مان لو کہ: یہ الگ الگ موقع کی روایتیں ہیں تو بات ہی ختم ہوگئی اور مزید بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں، اور اگر یہ مانو کہ: دراصل یہ دونوں ایک ہی موقع یعنی حج وعمرہ کی روایتیں ہیں جنہیں اجمال وتفصیل کے طریقے پر روایت کر دیا گیا ہے تو بھی پریشانی کی بات نہیں

بلکہ اصل پریشانی تو تب شروع ہوتی ہے جب اس سے استدلال کر کے یوں ہی سمجھ لیا جائے کہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی صرف حج یا عمرہ کے موقع پر ہی داڑھی تراشنے کے قائل تھے۔

پھر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ: ان مذکورہ بالا دونوں احتمالوں میں سے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کی تائید ان روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن میں حرفِ استثناء کے ساتھ حج یا عمرہ سے ہی داڑھی تراشنے کو مقید کر دیا گیا جیسا کہ: الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 2 صفحہ 409، 411 میں ہے کہ: ''**عن نافع :کان ابن عمر یعفی لحیتہ الا فی حج او عمرۃ** ''یعنی (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج یا عمرہ کے سوا داڑھی کو بڑھائے رکھتے تھے) نیز شعب الایمان للبیہقی جلد 5 صفحہ 220 رقم 6437 اور صفحہ 223 رقم 6450 میں ہے کہ: ''**عن نافع :عن ابن عمر انہ لم یکن یأخذ من لحیتہ الا لحل** ''یعنی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج یا عمرہ کے سوا داڑھی کو نہیں کاٹا کرتے تھے) ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ: حج و عمرہ کے علاوہ داڑھی کو تراشنا جائز نہیں۔؟

الجواب:۔

سبحان اللہ! میں کہتا ہوں کہ: یہ استدلال دراصل واقفیتِ حقیقت سے عدمِ توجہی کا وبال ہے، کیونکہ اگر اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ: '' آپ رضی اللہ عنہما صرف حج اور عمرہ کے موقع پر ہی داڑھی تراشنے کے قائل تھے'' تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ: شاید حج و عمرہ سے فراغت کے بعد سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ داڑھی کا تراشنا بھی

مشروع ہے اور یہ بات نہ تو ہم مانتے ہیں اور نہ ہی تمہیں ہضم ہوگی، کیونکہ اس پر نہ تو کتاب وسنت سے کوئی تصریح وارد اور نہ ہی اجماعِ صحابہ سے کوئی دلیل موجود اور نہ ہی اس کے مشروع ہونے پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی ایسا کچھ ثابت!

حالانکہ حدیث مشہور ''**اعفوا اللحی**'' کے راویوں میں خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں اور تم اپنے فتویٰ میں ''تعمیمِ اعفائ'' پر زور دے چکے ہو تو پھر حج یا عمرہ کی خصوصیت کہاں سے ثابت ہوگئی؟ حالانکہ حج وعمرہ سے فراغت پر داڑھی تراشنے کی مشروعیت اس روایت سے ثابت کرنا خواہ مخواہ کی زور زبردستی ہے، اور تو اور یہ تو تمہیں بھی قطعاً مفید نہیں کیونکہ تم اپنے فتویٰ میں یہ بھی کئی بار الاپ چکے ہو کہ: ''منفرد صحابی کا عمل حجت نہیں''، لہذا مذکورہ روایت کا تمہارا بیان کردہ یہ ''حج وعمرہ کی قید والا'' مفہوم تو مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

تو چلو آؤ! ہم تمہیں اب وہ روایت پیش کرتے ہیں جسے امام بخاری بھی ''اصح الاسانید'' قرار دے چکے ہیں اس روایت سے ''حج وعمرہ'' کے قید واستثناء کی پریشانی ہی ختم ہوجائے گی اور یہ بھی ثابت ہوجائے گا کہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما پورے سال میں کتنا عرصہ داڑھی کو تراشا نہیں کرتے تھے؟

چنانچہ: الموٴطا لامام مالک میں ہے کہ: ''**مالک عن نافع ان عبد اللّٰہ بن عمر کان اذا افطر من رمضان وھو یرید الحج لم یأخذ من رأسه ولا من لحیته شیأ حتی یحج**'' یعنی (امام مالک، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رمضان شریف گزار کر حج کا ارادہ کرتے تو جب تک حج نہیں کر لیتے تھے سر اور داڑھی کے بال بالکل نہیں

تراشتے تھے)۔

(المؤطا الامام مالک صفحہ 420، 421)

کیا اب بھی سمجھ نہیں آئی؟ تو اچھی طرح سن لو کہ داڑھی نہ تراشنے کا عرصہ صرف احرام کی وجہ سے ہی ''شوال، ذی قعدہ اور عشرہ ذی الحجہ'' ہوا کرتا تھا کیونکہ بعید مکانی کے عموماً حاجی حضرات انہی دنوں حج کا احرام باندھ لیا کرتے تھے، لہذا اسی روایت کی بدولت جنابِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بقیہ سارا سال داڑھی کو تراشنا بھی ثابت ہوجاتا ہے، بہر حال ''شوال، ذی قعدہ اور پہلا عشرہ ذی الحجہ'' تک جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تراش خراش سے رُکے رہنا احرام ہی کی وجہ سے شرعی ممانعت کو محیط ہے اس کے علاوہ نہیں، لہذا ممانعت والی روایات کو حالتِ احرام اور رخصت والی روایات کو عام حالت پر ہی محمول کیا جائے گا اور یہی بہترین تطبیق اور حفظِ روایات کی ضامن ہے۔
اس سے تو یہ بھی ثابت ہوگیا جو محرم نہیں اسکے لئے ان دنوں بھی ایک مشت سے بڑھی ہوئی داڑھی تراشنے کی اجازت ہے۔

اخذِ لحیہ اور تخصیص حج وعمرہ کا مزید مدلل جواب:۔

چونکہ جناب عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ عنہما اور جناب جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایات بھی سابق میں گزر چکیں جن میں حج وعمرہ کی قید تھی جس سے بھی تمہیں وہم ہوسکتا ہے کہ داڑھی کا تراشنا حج یا عمرہ میں خاص ہوگا حالانکہ جو جواب ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کا دے چکے ہیں وہ اپنی صراحت میں بالکل ''لاریب'' تھا لیکن اگر مذکورہ بالا صراحت سر کے اوپر سے

گزر گئی ہو تو ذرا فرصت پا کر اس پر بھی غور کرلو! کہ (اولاً) تو ان صحابہ کرام کے آثار سے حکمِ اعفاء کی عمومیت میں تخصیص من البعض تو ثابت ہوگئی، اور (ثانیاً) رسول اللہ ﷺ کا کوئی حکم یا فعل حج وعمرہ کے ساتھ داڑھی کی تخصیص پر ثابت نہیں، اور یہ تمہارے اصولوں کے سراسر خلاف ہے کیونکہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے تو تم ٹھہرے ''آثارِ صحابہ حجت نیست'' کے داعی جیسا کہ تمہاری کتب میں بھی جا بجا اس اصول کا پرچار کیا گیا ہے، لہذا آثارِ صحابہ کے سہارے حج یا عمرہ کی تخصیص ثابت کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں۔

اور (ثالثاً) شاید تمہیں معلوم نہیں لیکن حج وعمرہ سے فراغت پر بال تراشنے کے متعلق اصل مشروعیت تو وہ بھی سر کے بالوں کی تقصیر وتحلیق میں ہی ہے، اور مذکورہ بالا حضرات صحابہ کا حج وعمرہ سے فراغت پر داڑھی تراشنا کسی کے نزدیک بلکہ خود ان کے نزدیک بھی لازمی نہیں اور نہ ہی ایسا کچھ مشروع قرار دیا گیا ہے اسی کی تائید ائمہ جمہور سے بھی ہوتی ہے چنانچہ!

(1)۔

مؤطا امام مالک صفحہ 421 میں امام مالک نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حج وعمرہ سے فراغت پر داڑھی تراشنے کے حوالے سے پیدا ہونے والے اسی وہم کا رفع خود ہی یوں فرما دیا کہ: ''**لیس ذالک علی الناس**'' یعنی (لوگوں پر ایسا کچھ بھی مشروع نہیں)۔

(2)۔

مؤطا امام محمد صفحہ 220 میں ہے کہ: ''**قال محمد: لیس ھذا**

بواجب من شاء فعله و من شاء لم يفعله ''یعنی (امام محمد فرماتے ہیں کہ: ایسا کچھ بھی واجب نہیں ہے البتہ جو چاہے کرلے اور جو چاہے نہ کرے)۔

چنانچہ اسی کی صراحت میں تمہارے نزدیک گاہے بگاہے سند کی حیثیت پانے والے مولوی عبدالحی لکھنوی نے مؤطاامام محمد کے حاشیہ ''**التعليق الممجد**'' میں اسی مقام پر امام محمد کے قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''**اى ليس هذا من واجبات الحج و مناسكه كحلق الرأس و تقصيره و انما فعله ابن عمر اتفاقا**'' یعنی (یہ (حج وعمرہ سے فراغت پر داڑھی تراشنا) حج یا اسکے ارکان کے ساتھ سر کے بالوں کو منڈانے یا تراشنے کی طرح کوئی لازمی امر نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تو اس عمل کو اتفاقی طور پر کیا ہے)۔ (3)۔

شمس الائمہ امام ابوبکر السرخسی فرماتے ہیں کہ: ''**قال: وليس على الحاج اذا قصر ان يأخذ شيأ من لحيته او شاربه او اظفاره او يتنور لان التقصير قائم مقام الحلق ولو اراد الحلق لم يكن عليه ذالك فى لحيته ولا فى شاربه فكذالك التقصير وان فعل لم يضره**''۔

(المبسوط للسرخسی جلد4 صفحہ82)

یعنی (حاجی جب قصر کروائے تو اس پر داڑھی، موچھیں یا ناخن تراشنا یا نورہ استعمال کر کے جسم کے زائد بال صاف کرنا کوئی لازمی نہیں، کیونکہ قصر کروانا (بال کٹوانا) حلق (سر منڈوانے) کے قائم مقام ہے، لہذا اگر حاجی حلق کروانے کا ہی ارادہ کرے تو اس

پراس وجہ سے داڑھی یا مونچھ کاٹنا لازم نہیں ہے چنانچہ یہی حکم قصر کروانے کا ہے لیکن اگر حاجی وہ ساتھ ہی (داڑھی یا مونچھیں تراشنے والا) کام کر بھی لے تو اس پر کوئی حرج نہیں)۔

(4)۔

علامہ امام علاء الدین الکاسانی فرماتے ہیں کہ: ”**ھذا لیس بشیء لان الواجب حلق الرأس بالنص الذی تلونا ، ولان حلق اللحیۃ من باب المثلۃ لان اللّٰہ تعالیٰ زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب علی ما روی فی الحدیث : ان للہ تعالیٰ ملائکۃ تسبیحھم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب ‘ ‘ولان ذالک تشبہ بالنصاریٰ فیکرہ**“۔

(بدائع الصنائع للکاسانی جلد2صفحہ329)

یعنی (حج وعمرہ سے فراغت پر داڑھی تراشنے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں کیونکہ ہماری بیان کردہ نص سے سر کا حلق کروانا ہی مشروع ثابت ہوتا ہے ورنہ داڑھی کا حلق کروانا تو شکل بگاڑ دینے سے متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو داڑھیوں اور عورتوں کو مینڈیوں سے زینت بخشی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: ”بلا شبہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسا ہیں جو یوں تسبیح کرتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھیوں اور عورتوں کو مینڈیوں سے زینت بخشی“ اسی لئے داڑھی کا حلق کرنا کروانا عیسائیوں سے مشابہ ہے لہذا ناجائز ہے)۔

(5)۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی کا فتویٰ بھی فتح الباری جلد 10 صفحہ 395 کے حوالے سے سابق میں بیان کر دیا گیا ہے کہ: وہ بھی داڑھی تراشنے کو حج یا عمرہ سے ہی خاص نہیں مانتے۔

تو ذرا غور کرو کہ! ایک طرف یہ فنِ حدیث وفقہ کے ماہر اور دوسری طرف تم، بتاؤ کس کی توضیح قابلِ قبول ہوگی؟ بلاشبہ ان کی جو آثارِ صحابہ کو حجت مانتے ہیں، اس کے باوجود ہم تمہیں تمہارے ہم مسلک وہم مذہب بلکہ تمہارے پیشوا اور مرشدِ شہیر کی کتاب کا حوالہ بھی پیش کر دیتے ہیں شاید کہ تم اس عبارت سے وہ کام لے لو جو تم آثارِ صحابہ سے نہیں لے پائے، چنانچہ!

(6)۔

نیز مذکورہ بالا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حج وعمرہ میں اخذِ لحیہ کے اسی اثر کی توجیہ کرتے ہوئے تمہارے مرشدِ شہیر "فتاویٰ ثنائیہ" جلد 2 صفحہ نمبر 137، 138 میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

"پس ثابت ہوا کہ: یہ عدمِ قصر وحصر صرف شوال وذے قعدہ و 9 یوم ذی الحجہ کا بسبب احرام ہوتا تھا نہ کہ: عام طور پر سال بھر تک پس حسبِ ضرورت سال بھر تک عدمِ قصر نہ تھا اور چونکہ اکثر لوگ بعد رمضان حج کیلئے محرم ہو جاتے ہیں اور وہ احرام میں ریش بروت وغیرہ کی اصلاح جائز نہیں الا یوم النحر، اس لئے جابرؓ کی حدیث میں حج وعمرہ کا ذکر ہے ورنہ ویسے حسبِ ضرورت شرعی اصلاح کے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں"۔

جمہور علماء کے ساتھ ساتھ تمہارے مرشدِ کی ان تصریحات سے معلوم ہوگیا کہ:

حضرت ابن عمر و حضرت جابر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل حج و عمرہ کے ساتھ مشروع سمجھ کر نہیں تھا بلکہ آپ محض کراہت وقباحتِ طوالتِ لحیہ سے بچنے کیلئے ایسا کیا کرتے تھے۔

اسی طرح اگر تخصیصِ حج ثابت کرنے کیلئے تم یہ اعتراض کردو کہ: ''**عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری**'' جلد 22 صفحہ نمبر 72 اور ''**فتح الباری شرح صحیح بخاری**'' جلد 10 صفحہ 395 میں امام کرمانی کا قول یوں منقول ہے کہ:

''**لعل ابن عمر اراد الجمع بین الحلق والتقصیر فی النسک فحلق رأسه کله وقصر من لحیته لیدخل فی عموم قوله تعالیٰ "محلقین رؤوسکم ومقصرین" (الفتح: 27) وخص ذالک من عموم قوله: "وفروا اللحی" فحمله علی حالة غیر حالة النسک**'' یعنی (شاید کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حج سے فراغت پر حلق (مونڈنا) اور تقصیر (کاٹنا) دونوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے سارے سر کو منڈوایا اور اپنی داڑھی کو ترشوایا تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان کے عموم کی تعمیل ہو کہ: ''**محلقین رؤوسکم ومقصرین**'' یعنی جو اپنے سروں کو منڈواتے ہیں اور بال کٹواتے ہیں، لہذا ''**وفروا اللحی**'' یعنی داڑھیاں بڑھاؤ والی حدیث کا حکم ایسے عموم میں داخل ہوگا جس سے کچھ خاص کر لیا گیا ہو اور اس تعمیم کو حج کے دنوں کے علاوہ پر ہی محمول کیا جائے)۔

الجواب:۔

تو اس کا جواب یوں ہے! کہ اولاً تو امام کرمانی کا یہ قول لفظِ ''**لعل**'' سے

شروع کیا گیا ہے جس کا معنیٰ احتمال کی صراحت پر دال ہے اب ''شاید اور کاش'' سے استدلال کرنا ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' دینے والی بات ہے۔

ثانیاً! علامہ کرمانی کا قول نقل کرنے کے بعد خود علامہ ابن حجر نے اس کا بڑا پیارا اور مسکت جواب دیدیا جو ''**لیت ولعل**'' سے بھی پاک ہے اور جمہور ائمہ کے حق میں بھی ہے فرمایا: ''**قلت: الذی یظھر ان ابن عمر کان لا یخص ھذا التخصیص بالنسک بل کان یحمل الامر بالاعفاء علی غیر الحالۃ التی تتشوہ فیھا الصورۃ بافراط طول شعر اللحیۃ او عرضہ**'' یعنی (میں کہتا ہوں کہ: ظاہر یہی ہے کہ بلاشبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما داڑھی تراشنے والے عمل کو حج وعمرہ کے ساتھ ہی خاص نہیں کرتے تھے بلکہ داڑھیاں بڑھانے والی حدیث کو اس حالت پر ہی محمول کیا جائے گا جب داڑھی کے طول وعرض کے بال زیادہ لمبائی کی وجہ سے صورت کو بگاڑنے نہ لگیں)۔

(فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد 10 صفحہ 395)

جی ہاں! علامہ ابن حجر نے علامہ کرمانی کے احتمال کو فقط رد ہی نہیں کیا بلکہ اپنی بات کو ''**لیت ولعل**'' سے کوسوں دور ''**مؤکد بتأکیدِ اَنَّ**'' کا سہارا دے کر لفظ ''**یظھر**'' کے حسین امتزاج سے ایسا قابلِ استدلال بنادیا جس نے علامہ امام ابن حجر کے خود اپنے مؤقف کے اظہار کے ساتھ ساتھ جمہور علماء کی اس صراحت کی بھی تائید کردی کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ''**اعفوا اللحی**'' کا حکم اپنی داڑھیوں کو فقط اتنا بڑھانے تک ہی محمول کیا جائے گا یعنی جس ''اعفاء'' سے شکل نہ بگڑے، اور وہ محض ایک مشت تک ہے، البتہ اس سے بھی زیادہ بڑھادینا جس سے

شکل میں بھیانک پن پیدا ہو جائے تو یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم نہیں ہو سکتا۔

نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ: حضرت عبد اللہ بن عمر و حضرت جابر رضی اللہ عنہما کا حج و عمرہ سے فراغت پر داڑھی تراشنا حج و عمرہ سے خصوصیت ثابت کرنے کیلئے نہیں تھا بلکہ یہ ایک امرِ اتفاقی تھا جو فقط بڑھی ہوئی داڑھی کو حدِ اعتدال تک کرنے کیلئے تھا، یہی جمہور کا موقف ہے جس سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔

چنانچہ اگر حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے داڑھی تراشنے والی روایتوں کو شرعی زاویہ سے دیکھا جائے تو اسکا مفہوم کچھ ایسا بنے گا جس سے جمہور علماء کے موقف کو تائید کے ساتھ ساتھ تقویت بھی حاصل ہو گی، یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما عام حالات میں بھی داڑھی تراشا کرتے تھے لیکن حج یا عمرہ کی نیت کرتے ہی تراشنا چھوڑ دیتے اور جب مناسکِ حج سے فارغ ہوتے تو سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ بڑھی ہوئی داڑھی کو بھی تراش لیا کرتے تھے تاکہ مزید طوالت باعثِ کراہت وقباحت نہ ہو تو یہ مفہوم کسی احتمال سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس پر گزشتہ تمام روایات کی تطبیق اور موطا امام مالک کی روایت سابق میں بہترین دلیل تھی جو پیش کر دی گئی نیز اسی پر جمہور علماء کرام کی متعدد تصریحات بھی وارد ہیں اور آثار بھی اس پر شاہد ہیں نیز تمہاری کتبِ معتمدہ میں بھی اس پر تائیدی مفصل وواضح بیانات موجود ہیں جو اپنے مقام پر بیان کئے جائیں گے۔

ورنہ خوب غور کرنے والی بات یہ ہے کہ سر کے بالوں کو عام حالات میں بھی کاٹا جاتا ہے اور حج عمرہ سے فراغت پر تو ان کا کاٹنا یا منڈوانا مشروع ٹھہرا دیا گیا لیکن داڑھی جس کے بڑھانے کا حکم مشروع ہے اسے حج یا عمرے سے فراغت پر صحابہ کے

تراشنے سے ایک تو ''**تخصیص من تعمیم الاعفاء**'' ثابت ہوتی ہے اور دوسرا عام حالات میں بھی تراشنے کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ جو کام حج سے فراغت پر جائز ہے وہ عام حالات میں بھی جائز ہے، اور اگر بقول تمہارے داڑھی تراشنے کو حج یا عمرہ سے فراغت پر مشروع قرار دے دیا جائے تو لامحالہ اس سے عام حالات میں بھی تراشنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مشروع من المأمور بہ قرار پائے گا اور یہ بات تمہیں تو کبھی بھی ہضم نہ ہوگی، چنانچہ ان مذکورہ بالا حضرات صحابہ کرام کا حج یا عمرہ سے فراغت پر داڑھیاں تراشنا بھی تمہارے دعوے کو ہی نقصان دہ ہے، ہمیں نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ: مذکورہ بالا وضاحت نے اب تک کے تمام شکوک وشبہات رفع اور تمام احتمالاتِ موہومہ مختلفہ کو رد کر دیا، اور تمہارا ''منفرد، منفرد'' کا لگایا ہوا رٹا بھی ہوا میں اُڑ گیا۔

چنانچہ اس فیصلہ کن توضیح کے بعد اب گزشتہ بالا تینوں طرح کی روایات میں یوں تطبیق دی جائے گی کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عام حالات میں بھی داڑھی تراشا کرتے تھے اس کی دلیل وہ روایتیں ہیں جن میں حج یا عمرہ کا ذکر نہیں، پھر جب حج یا عمرہ کا ارادہ کر لیتے تو حج یا عمرہ سے فارغ ہونے تک سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ داڑھی کو تراشنا بھی چھوڑ دیتے اس کی دلیل مؤطا امام مالک کی مؤخر الذکر حدیث ہے، پھر جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تو اب کی بار سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ داڑھی کو بھی تراش لیا کرتے اور اس کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جن میں حج یا عمرہ کی قید ہے، جی ہاں! ''**الحمدللہ**'' یہ ایک بہترین تطبیق ہے جو تقریباً سبھی کے لئے کافی وشافی ہے۔

پھر چونکہ تم نے اپنے فتویٰ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے داڑھی تراشنے اور تقریباً تمام آثار کے حوالے سے یہ کہہ دیا کہ: ''یہ حج کے ساتھ خاص ہے'' اور اس تخصیص پر کوئی دلیل بھی نہیں دی حالانکہ تصریحاتِ علماء بھی اس کے خلاف وارد ہیں۔

پھر تم نے اپنے فتوی میں جو مزید موتی بکھیرے ہیں کہ: ''عام حالات اور حج، عمرہ کے حالات میں داڑھی کے معاملے میں فرق ہوتا ہے'' تو جناب! جو خود کو سب سے بڑا ''اہل الحدیث'' کہے اور مطالعہ کی وسعت کا بھی اخیر دعویدار ہو، اور پھر خوب چیخ چیخ کر کہے کہ: ''داڑھی کے معاملے میں حج وعمرہ اور عام حالات میں فرق ہوتا ہے'' تو لازمی ہوا کہ یہ وضاحت کرنا بھی اسی کی ذمہ داری قرار دی جائے کہ: داڑھی کے بارے عام حالات اور حج وعمرہ کے حالات میں جو فرق تمہیں معلوم ہے وہ ذرا ہمت کرکے بیان ہی کردو جس سے کسی اور کے بھی علم میں اضافہ ہوجائے۔

نیز اتنی زبردست تصریحات کے باوجود تم داڑھی تراشنے کو اب تک حج، عمرے سے خاص سمجھتے ہو تو کیا ہم اسے تمہارا فتویٰ سمجھ لیں کہ: تمہارے نزدیک بھی حج سے فراغت پر سر کے بال منڈوانے کے ساتھ ساتھ داڑھی تراشنے کی بھی اجازت ہے۔

تب سوال یہ ہوگا کہ: بتاؤ! اب حکمِ ''**اعفائ**'' کی تعمیم بلا تخصیص کدھر گئی؟ حالانکہ تمہیں تو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ: مطلق کو مقید یا عام کو خاص کرنے کیلئے کونسی صورت اور اس کیلئے کس طرح کی دلیل درکار ہوتی ہے؟ نیز یاد آیا تم تو متعدد کو منفرد قرار دے کر ''منفرد صحابی'' کو حجت ہی نہیں مانتے تو پھر یہ کیا ہے؟ کیا اب رسول اللہ ﷺ کا کوئی ایسا فرمان یا عمل تمہیں مل گیا جس میں حج سے فراغت پر داڑھی کترنے کی اجازت دینا ثابت ہو؟

اسی طرح یہ بھی بتاؤ کہ: تم ''اہل الحدیث'' حج یا عمرہ سے فراغت پر سر کے بالوں کا ''مُنڈن'' کروانے کے ساتھ ساتھ داڑھی کو بھی ہلکا کراتے ہو یا نہیں؟ اگر کراتے ہوتو کیا اس کی دلیل کہیں ''منفرد صحابی'' کا یہی فعل تو نہیں؟ اس صورت میں تو تم بہت ہی بُرے پھنسے اور اگر ''اخذ لحیہ'' نہیں کراتے تو پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو حج یا عمرہ سے مقید کرنے کا تمہیں کیا فائدہ؟

نیز ''**الاحتمال بالمحال**'' اگر تم حج یا عمرہ میں ایسا کرنا جائز قرار دے رہے ہوتو یہ تمہارا اپنے ہی پہلے فتوی سے رجوع ہوگا جس کی امید ''**کالعنقاء**'' ہے، حالانکہ تمہیں پہلے سے ہی داڑھی کے زوائد تراشنے کے ''خلافِ سنت'' ہونے کے اپنے فتویٰ میں کم ازکم دلائل کے ذریعے ''حج کا استثناء'' کردینا چاہیے تھا اور نہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل پر فتویٰ لگا کر ایک گوہر افشانی اور کردیتے حالانکہ نہ تو ہمیں تمہارے فتوے میں کہیں حکمِ اعفاء میں ''حج سے فراغت کا استثناء'' نظر آیا اور نہ ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات کے داڑھی تراشنے والے عمل کے اچھے یا برے ہونے پر کسی حکم کی وضاحت، بلکہ فقط اتنا ہی نظر آیا ہے کہ جی: ''یہ منفرد صحابی کا عمل ہے جو حجت نہیں'' یہ بہت بڑی لاپرواہی ہے۔

اور اگر تم عادت سے مجبور ہوکر ابن ابی شیبہ کی سابق میں ذکر کردہ ہماری یہ روایت حج و عمرہ کی تخصیص کے طور پر ہمیں ہی پیش کردو کہ: ''**عن منصور، قال: سمعت عطاء بن ابی رباح قال: کانوا یحبون ان یعفوا اللحیۃ الا فی حج او عمرۃ**'' یعنی (منصور کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے سنا ہے کہ: صحابہ کرام اپنی داڑھیوں کو بڑھانا ہی پسند کرتے تھے مگر حج یا عمرہ میں)۔

جی ہاں یہ روایت بظاہر تو تمہارے منہ سے خوشی کی رالیں ٹپکا ہی دے گی لیکن ذرا اس پر پھر سے غور کرلو تو حق واضح ہوجائے یعنی اگر صحابہ کرام عام دنوں میں داڑھیاں بڑھانا پسند کرتے تھے تو حرفِ استثناء یہ کہتا ہے کہ حج وعمرہ سے فراغت پر داڑھیاں تراشنا بھی پسند کرتے تھے تو کیا یہ عمل تمہیں پسند ہے؟ اگر نہیں تو یہ روایت تمہیں مفید نہیں اور اگر ہاں تو ذرا تیسری بار پھر سے الفاظ کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ حج یا عمرہ سے فراغت پر صحابہ کو داڑھیاں تراشنا محض پسند تھا وہ اسے فرض یا واجب یا سنت نہیں سمجھتے تھے بلکہ محض اس لئے تراشا کرتے تھے کہ اتنے عرصے تک نہ کاٹنے کی وجہ سے داڑھی کے بال بھی ایسے بڑھ جاتے کہ بدصورتی اور طبیعت پر بوجھ کا باعث بنتے لہذا حضرات صحابہ کرام اسی قباحت وکراہت سے بچتے ہوئے زائد بالوں کو کاٹ ڈالنا ہی پسند کیا کرتے تھے، پھر مزید زحمت اٹھاؤ اور ذرا چوتھی بار بھی غور کرلو کہ اگر حج وعمر کے مختصر عرصے میں نہ تراشتے تو فراغت پر داڑھی کے بڑھنے کا یہ عالم ہوتا کہ انہیں تراشنا ہی پڑتا تو سارا سال داڑھیاں بڑھنے کی کیا کیفیت ہوگی پھر اسی قباحت وکراہتِ طوالت سے بچنے کیلئے زوائدِ لحیہ کو کیونکر نہ تراشتے ہونگے؟

نیز اگر جی نہیں بھرا تو چلو! ذرا یہ بھی دیکھ لو! کہ خود تمہاری اپنی کتب اس مسئلہ میں کیا کہتی ہیں؟ مثلاً!

(1)۔

''فتاویٰ اہلحدیث'' جلد 2 صفحہ نمبر 577 میں ہے کہ: ''رہا عبداللہ بن عمرؓ کا فعل، سو اس سے مجھے اتنا تردد ہے کہ اگر غیر حج، عمرے میں داڑھی کو چھیڑنا ناجائز ہوتا تو ناجائز کام حج، عمرے میں کس طرح جائز ہوگیا؟ احرام سے نکلنے کیلئے وہی کام

کیا جاتا ہے جوغیراحرام میں جائز ہوخاص کرجب ظاہرالفاظ قرآن میں سرمنڈانے، کٹانے کا ذکر ہے اوراحادیث میں بھی اس کا ذکر ہے تو آیت کوعبداللہ بن عمرؓ نے داڑھی کے کٹانے پرکس طرح چسپاں کردیا؟اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ: غیرحج ،عمرے میں وہ کٹانے کے قائل تھے اس لئے حج ،عمرے میں سر کے علاوہ بقیہ حجامت (ناخن وغیرہ) کی طرح مٹھی سے زائد داڑھی بھی کٹالیتے ''۔

(2)۔

''فتاویٰ نذیریہ'' جلد 3 صفحہ نمبر 360 میں ہے کہ: ''ہاں ! حضرت ابن عمر سے بسند صحیح ثابت ہے کہ: وہ حج اورعمرہ میں اپنی داڑھی کوترشواتے اور بقدرایک قبضہ کے رکھتے تھے ، صحیح بخاری میں ہے : ''**وکان ابن عمر اذا حج اواعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذہ** ''یعنی ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کومٹھی سے پکڑتے اور مٹھی سے جوداڑھی بڑھتی اس کولے لیتے ،حافظ ابن حجراس اثر کے تحت میں لکھتے ہیں: (۔۔۔۔۔عربی عبارت۔۔۔۔۔۔) یعنی ظاہر بات یہ ہے کہ: ابن عمرؓ کا داڑھی کوترشوانا اور بقدرایک مشت کے رکھنا حج اورعمرے کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ داڑھی کے بڑھانے کے حکم کواس حالت پرمحمول کرتے تھے کہ: داڑھی طول وعرض میں زیادہ بڑھ کرصورت کو بھدی اور بدنما نہ کردے،اس واسطے کہ: طبری نے کہا کہ: ایک قوم ظاہرحدیث کی طرف گئی ہے اور داڑھی کے طول وعرض سے کچھ لینے کومکروہ سمجھتی ہے اورایک قوم نے یہ کہا ہے کہ: جب داڑھی ایک مشت سے بڑھ جاوے تو زائد لے لینا چاہیے، پھرطبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ: ابن عمرؓ نے ایسا کیا ہے اورعمرؓ نے ایک مرد کے ساتھ

ایسا کیا ہے اورابو ہریرہ نے بھی ایسا کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ‘‘

(3)۔

’’فتاویٰ ثنائیہ‘‘ جلد 2 صفحہ نمبر 128 میں مولوی عبدالجبار غزنوی کا فتویٰ یوں منقول ہے کہ: ’’موطا میں ہے کہ: عبداللہ بن عمر جب رمضان مبارک سے فارغ ہوتے اورحج کا ارادہ بھی ہوتا تو اپنی داڑھی اورسر کے بال نہ کٹاتے یہاں تک کہ: حج مبارک سے فارغ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ: شوال اور ذیقعدہ اورعشرہ ذی الحج تک نہیں کتراتے تھے باقی مہینوں میں قبضہ سے اگر زائد ہوجاتی تھی تو کتراتے اور سبب کترانے کا طول داڑھی کا ہے نہ کہ: ’’نسک‘‘ (اعمالِ حج) کیونکہ ’’**اخذ من اللحیۃ**‘‘ (داڑھی کا کٹانا) کسی اہلِ علم کے نزدیک ’’نسک‘‘ سے نہیں ہے، سر کے بالوں کا حلق اورقصر بلاشک ’’نسک‘‘ سے ہے، زیادہ طولِ لحیہ بعض علماء مکروہ لکھتے ہیں ، کالقاضی عیاض وغیرہ، مگر حدیث صحیح ’’**اعفوا اللحی**‘‘ سے ثابت ہے کہ: مکروہ نہیں اورقبضہ سے زائد کترانا منافی ’’اعفاءٰ‘‘ کا نہیں ہے۔۔۔۔۔ حافظ ابن عبدالبر ’’الاستذکار‘‘ میں لکھتے ہیں کہ: ’’**وفی اخذ ابن عمر فی الحج من مقدم لحیتہ دلیل علی جواز اخذ من اللحیۃ فی غیر الحج لانہ لو کان ذالک غیر جائز فی سائر الزمان ما جاز فی الحج**۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘ (ترجمہ) اورعبداللہ بن عمر کا ایامِ حج میں اپنی داڑھی کے آگے سے بال لینا اس بات کی دلیل ہے کہ: غیر ایامِ حج میں بھی یہ فعل جائز ہے کیونکہ اگر یہ فعل تمام ازمنہ میں ناجائز ہوتا تو حج میں بھی جائز نہ ہوتا ‘‘

نتیجہ:۔

جی جناب! ''گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' تمہاری اپنی کتب سے بھی اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا داڑھی تراشنا حج یا عمرہ سے قطعاً خاص نہیں۔۔۔۔۔۔۔خدا تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے!

پھر تم نے اپنے فتویٰ میں یہ بھی کہا تھا کہ: ''امام محمد بن جریر الطبری نے سورۃ الحج کی آیت۔۔(۔۔**ثم لیقضوا تفثهم**۔۔۔الخ) کی تفسیر میں ایسے آثار نقل کئے ہیں جن کا مطلب ہے کہ: ان کا تعلق حج کے ساتھ ہے عام حالات کے ساتھ نہیں''۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: تم نے علامہ ابن جریر کی طرف غلط مؤقف کی نسبت کی ہے کیونکہ امام ابن جریر الطبری نے ایک ناقل کی حیثیت سے وہ آثار نقل کئے ہیں جن میں حج یا عمرہ کی قید ہے، لیکن کاش تم امام ابن جریر الطبری کی جملہ منقولات ملاحظہ کرنے کے ساتھ ساتھ ذرا اس پر بھی غور کر لیتے کہ خود امام محمد بن جریر الطبری کے نزدیک کس مذہب کو ترجیح ہے؟ یعنی کیا وہ بھی داڑھی تراشنے کو حج کیساتھ ہی خاص کرتے ہیں؟ چنانچہ امام ابن جریر کا مذہب علامہ ابن حجر عسقلانی ''**فتح الباری شرح صحیح بخاری**'' جلد 10 صفحہ 395 میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ: ''**واختار قول عطاء**'' یعنی امام طبری نے خود حضرت عطاء کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ: حضرت عطاء کا مذہب کیا ہے؟ تو اس سلسلہ میں فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الساری میں یوں فرمایا گیا ہے کہ: ''**وقال عطاء: لا بأس ان یأخذ من لحیته الشیء القلیل من طولها**

وعرضھا اذا کبرت وعلت کراہۃ الشھرۃ وفیہ تعریض نفسہ لمن یسخر بہ (انتھی کلام عمدۃ القاری)(وفی ارشاد الساری وفتح الباری)وقال عطائ: ان الرجل لو ترک لحیتہ لا یتعرض لھا حتی افحش طولھا وعرضھا لعرض نفسہ لمن یسخر بہ''۔

(فتح الباری جلد10 صفحہ395)

(عمدۃ القاری جلد22 صفحہ نمبر72)

(ارشاد الساری جلد8 صفحہ 464)

یعنی (اورعطاء فرماتے ہیں کہ: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ: داڑھی کے طول وعرض کچھ بالوں کو تراش لیا جائے جبکہ داڑھی طویل ہوجائے اور طوالت قباحت کا باعث بنے اور اسی میں اس شخص کو ترغیب بھی ہے جو داڑھی رکھنے پر آمادہ ہے (یہاں تک کلام امام بدر الدین عینی کی ''عمدۃ القاری'' کا تھا)(اورامام قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' اور امام ابن حجر کی'' فتح الباری'' میں یوں ہے کہ)عطاء فرماتے ہیں کہ: بلاشبہ اگر ایک آدمی اپنی داڑھی کو یونہی چھوڑ دے اور اس کے طول وعرض سے کچھ بھی نہ تراشے یہاں تک کہ اس کے طول وعرض کے بال بدنمائی تک لمبے ہوجائیں تو اس سے اس شخص کو نفرت ہوجائے گی جو داڑھی رکھنے پر آمادہ ہے)۔

ثابت ہوا کہ: امام ابن جریر طبری کا روایات وآثار کو نقل کرنے کا اصل مسأ ان روایتوں کو ترجیح دینا نہیں تھا بلکہ فقط ناقل کی حیثیت سے انہوں نے ہر طرح کے آثار نقل کردیئے لیکن ان کا اپنا موقف انہی روایات کے حق میں تھا جن میں حج یا عمرہ کی

کوئی قید نہیں نیز یہی امام طبری اور جمہور علماء کا مؤقف ہے۔لہذا علامہ طبری کے حوالے سے کئے جانے والے اعتراض کا جواب مکمل ہوا۔

لطیف نکتہ:۔

سابقہ تفصیلات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنے کا ہمیں حق حاصل ہو گیا کہ حج یا عمرے سے داڑھی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ غیر محرم کیلئے سارا سال جائز ہے، چنانچہ اس نفیس بحث سے فراغت کے بعد اب دلچسپ امر یہ ہے کہ: جنابِ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ''داڑھیاں بڑھاؤ'' کے راویوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں یعنی ایک طرف تو وہ خود رسول اللہ ﷺ سے ''اعفاءِ لحیہ'' یعنی داڑھیاں بڑھانے کی روایت کرتے ہیں اور دوسری طرف خود ''اخذِ لحیہ'' یعنی داڑھیاں تراشتے رہے، چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ: ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کا حکم بھی جانتا ہو اور خود بلا وجہ اس کے خلاف عمل کرے؟ چونکہ ''**الصحابۃ کلھم عدول**'' صحابہ سے ایسی بات محال ہے، اور دونوں طرح کی روایتوں کی سند میں بھی کوئی خرابی نہیں تو لامحالہ آثارِ صحابہ و حکمِ رسول ﷺ میں تطبیق دے دی جائے گی اور یہی حق ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

چنانچہ! علامہ حافظ ابن عبد البر ''**الاستذکار**'' میں لکھتے ہیں کہ: ''**وابن عمر روی عن النبی** ﷺ **"اعفوا اللحی" وھو اعلم بمعنیٰ ماروی وکان المعنیٰ عندہ وعند جمھور العلماء الاخذ من اللحیۃ ما نظائر و تفاحش و سمج واللہ اعلم**''

یعنی (اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے ''داڑھیاں بڑھاؤ'' والی حدیث بھی روایت کی ہے (حالانکہ خود مٹھی سے زائد بالوں کو کاٹ دیتے تھے) چنانچہ اس حدیث کا مفہوم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی بہتر جانتے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء کے نزدیک یہ معنیٰ مراد لینا جائز ہے کہ: داڑھی کے وہ بال کاٹ دیئے جائیں جو مشت سے زائد اور پراگندہ ہوں اور برے معلوم ہوں، واللہ اعلم'')۔

علامہ ابن عبد البر کی اس عبارت کو تمہارے شیوخ کے ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 129 میں بھی مولوی عبد الجبار غزنوی کے حوالے سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ نیز تمہارے ''شیوخانِ اہل الحدیث'' اس بارے میں مزید کیا کہتے ہیں وہ بھی دیکھ لو! (1)۔

''فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری'' جلد 1 صفحہ 229 میں ہے کہ: **''روی ابو داؤد والنسائی من طریق مروان بن سالم: ''رأیت ابن عمر یقبض علی لحیته مازاد علی الکف'' واخرجه ابن ابی شیبه وابن سعد و محمد بن حسن، وروی ابن ابی شیبه عن ابی ہریرۃ نحوه ، والجمع بین فعلهما واحادیثهما فی اعفاء اللحیة وتکثیرها وتوفیرها ان یحمل النهی علی الاستیصال او ماقاربه، بخلاف الاخذ المذکور ولا سیما ان الذی فعل ذالک هو الذی رواه ، ویقال انهما کان یحملان، الامر بالاعفاء علی غیر الحالة التی تتشوه فیها الصورة ،**

بافراط طول شعر اللحیۃ او عرضہ‘‘۔

یعنی (ابو داؤد اور نسائی مروان بن سالم کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مشت سے زائد داڑھی تراشتے ہوئے دیکھا، اور اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ابن سعد اور امام محمد بن حسن نے بھی روایت کیا ہے نیز ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، چنانچہ ان دونوں صحابیوں کے داڑھی تراشنے والے فعل اور داڑھیاں بڑھانے، وافر کرنے اور زیادہ کرنے والی حدیثوں کے درمیان جو انہوں نے خود روایت فرمائیں یوں موافقت کی جائے گی کہ: داڑھیاں کٹانے کی ممانعت کو جڑ سے اکھیڑنے یا اس کے قریب کر دینے پر ہی محمول کیا جائے گا بخلاف صحابہ کرام کے داڑھیاں تراشنے کے، اس کی خاص بات یہ ہے کہ: داڑھیاں تراشنے کا عمل ان صحابہ کا ہے جو خود داڑھیاں بڑھانے کی حدیث روایت کرتے ہیں لہذا یوں کہا جائے گا کہ: یہ دونوں حضرات داڑھیاں بڑھانے والے حکم کو اس حالت کے سوا پر محمول کرتے تھے جس میں صورت بگڑے اور یہ صورت کا بگڑنا داڑھی کا طول وعرض سے حدِ اعتدال سے بھی طویل ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

(2)۔

’’فتاویٰ اہلحدیث‘‘ جلد 2 صفحہ نمبر 577 میں ہے کہ: ’’چونکہ عبداللہ بن عمرؓ حدیث ’’**اعفوا اللحی**‘‘ (داڑھیاں بڑھاؤ) کے راوی ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: یہ صحابی کا خیال ہے جو حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتا، یا شاید اس کو حدیث نہ پہنچی ہو کیونکہ حدیث تو وہ خود روایت کررہے ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ سے ذراسی

بات میں خلاف برداشت نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ: عادت کے طور پر آپ سے
کوئی فعل صادر ہوتا تو اس سے بھی موافقت کی کوشش کرتے ، بخاری میں لمبی حدیث
ہے جس میں حج عمرہ کو جاتے ہوئے ان کا ان جگہوں میں نماز پڑھنا مذکور ہے جہاں
جہاں نبی ﷺ اتفاقیہ اترے اور نماز پڑھی اس کی بہت کوشش کرتے اس طرح دیگر
باتوں میں بھی ان کا حال تھا، اس لئے صحابہؓ نے اتباعِ نبوی میں خصوصیت کے ساتھ
مشہور ہیں ان کے اس فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ: انہوں نے ضرور نبی کریم
ﷺ سے سند لی ہے ورنہ داڑھیاں بڑھانے کی حدیث کے راوی ہوکر ایک ناجائز
کام کا ارتکاب نہ کرتے اس لئے اگر کوئی شخص مٹھی سے زائد داڑھی کٹادے تو اس پر
اعتراض نہ کرنا چاہیے''

(3)۔

''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 129 میں ہے کہ: ''یہ دونوں جلیل القدر
صحابی (ابن عمر وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما) داڑھی کو کٹوایا کرتے تھے حالانکہ داڑھی
بڑھانے کی حدیث بھی ان دونوں حضرات سے منقول ہے، عبداللہ بن عمرؓ سے جو
حدیث بخاری شریف میں مروی ہے وہ تو اوپر تحریر ہوچکی ہے اور ابو ہریرہؓ سے مسلم
شریف میں مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مونچھوں کو خوب کٹوایا
کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ'' بہرحال ان حضرات کے فعل اور روایت میں تعارض واقع
ہورہا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ: ان حضرات نے دیدہ ودانستہ حدیث کے خلاف
کیا نعوذ باللہ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ: ان کو حدیثِ رسول اللہ ﷺ نہیں پہنچی تھی
(کیونکہ وہ تو خود ہی روایت کرتے ہیں) اس صورت میں سوائے اس کے کہ: ان کے

فعل اور روایت میں تطبیق دی جائے اور کوئی چارہ نہیں ہے چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے جو تطبیق دی ہے اس کو اس جگہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے :(۔۔۔۔۔عربی عبارت۔۔۔۔۔) خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ: ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کے فعل اور روایت میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ: آنحضرت ﷺ کی حدیث میں جو داڑھی کٹوانے کی ممانعت ہے تو وہ جڑ سے کٹوانے کی ممانعت ہے (جیسا کہ آجکل عام رواج ہو رہا ہے) اور مطلقاً کٹوانے کی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ راویانِ حدیث سے ثابت ہے اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک شخص کی داڑھی کم کرالی تھی''

(4)۔

نیز اسی فتاویٰ کے صفحہ نمبر 130 میں مولوی عبدالجبار غزنوی کے حوالے سے مزید منقول ہے کہ:''ابن ابی نجیح ،مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ: انہوں نے اپنی داڑھی کی مٹھی بھری ، پھر حجام کو کہا جو مٹھی سے نیچے ہے کاٹ ڈال''۔

ان تمام توضیحات سے معلوم ہوا کہ: تمہارے شیوخ کے نزدیک بھی حضرات صحابہ عام حالات میں بھی اخذِ لحیہ کے قائل تھے اور اور وہ اخذ و اعفاء میں کوئی منافات نہیں سمجھتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ وہ تعمیمِ اعفاء میں ''تخصیص'' کے اثبات کے حق میں بھی تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باب

اخذِ لحیہ اور

تابعین وائمہ

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور اخذِ لحیہ :۔

''مالک انہ

بلغہ ان سالم بن عبداللہ کان اذا اراد ان یحرم دعا بالجلمین ففص شاربہ واخذ من لحیتہ قبل ان یرکب وقبل ان یھل محرما '' یعنی (امام مالک کو یہ خبر پہنچی کہ: بلاشبہ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تو قینچی منگواتے اور اپنی موچھوں کو کاٹ لیتے اور داڑھی کے زوائد کو تراش لیتے اور یہ عمل حج وعمرہ کیلئے سواری پر سوار ہونے سے پہلے اور حج وعمرہ سے فراغت پر احرام کھولنے سے پہلے بھی ہوا کرتا تھا)۔

(المؤطا الامام مالک صفحہ 422)

اس روایت کو تمہارے ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 128 میں بھی داڑھی تراشنے کے جواز پر نقل کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: جس طرح آج کل ذوالحجہ شریف کا چاند نظر آنے سے پہلے ہی لوگ بال وغیرہ کتروا لیتے ہیں پھر ذوالحجہ کے مقررہ دس دن گزار کر قربانی سے فراغت پر بڑھے ہوئے بال وغیرہ پھر سے تراشتے ہیں یہ بالکل اسلاف کے اسی عمل کی طرح ہے جو روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

''الحمدللہ'' اس اثر نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے عمل کی مزید تائید ووضاحت کردی، اور ہمارے مؤقف کو مزید نکھار دیا۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ اور اخذِ لحیہ:۔

”روی مروان بن معاویۃ ، عن سعید بن ابی راشد المکی،عن ابی جعفر محمد بن علی،قال:کان یأخذ اللحیۃفما طلع علی الکف (جزہ)“ یعنی (مروان بن معاویہ نے سعید بن ابی راشد مکی سے روایت کیا ہے اور انہوں نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے کہ: آپ رضی اللہ عنہ مشت سے زائد داڑھی کے بالوں کو کاٹ دیا کرتے تھے)۔

(التوضیح شرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد28صفحہ117)

اس روایت کو ضعف کے باوجود علامہ امام سراج الدین ابن ملقن نے قبول فرما کر استدلال کیلئے برقرار رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ:”**وھذا الحدیث ان کان فی اسنادہ نظر فھو جمیل من الامر وحسن من الفعل**“یعنی (لہذا اگر چہ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے لیکن یہ عمل جمالِ امر اور حسنِ فعل کی علامت ہے)۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور اخذِ لحیہ:۔

”**عن افلح قال: کان القاسم اذا حلق رأسہ اخذ من لحیتہ و شاربہ**“یعنی (افلح سے روایت ہے کہ: حضرت قاسم رحمہ اللہ جب بھی اپنے سر کو منڈواتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں کو بھی

تراشا کرتے تھے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ109 رقم6)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ :۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا داڑھی
تراشنے کے جواز پر فتویٰ اور اس پر انکا اپنا ذاتی عمل دو روایتوں میں پیش ہے!

(1)۔

''**عن حماد عن ابراہیم انہ قال: لا بأس ان یأخذ الرجل من لحیتہ ما لم یتشبہ باھل الشرک**''یعنی (حضرت حماد رحمہ اللہ جناب ابراہیم رحمہ اللہ کا فرمان روایت کرتے ہیں کہ: جب تک مشرکوں سے مشابہت نہ ہو داڑھی کے زوائد تراشنے میں کوئی حرج نہیں)۔

(کتاب الآثار لابی یوسف جلد2صفحہ699رقم993)

(2)۔

''**عن منصور قال : کان ابراہیم یأخذ من عارض لحیتہ**''یعنی (منصور فرماتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اپنی داڑھی کے بڑھے ہوئے بالوں کو تراش لیا کرتے تھے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد6صفحہ109 رقم3)

نیز ہم سابق میں کئی کتب کی پیش کردہ عبارات کے ضمن میں حضرت ابراہیم نخعی کا یہ

قول بھی پیش کر چکے ہیں کہ ”مجھے عقلمند شخص کی لمبی داڑھی پر بے حد تعجب ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو تراش کر معتدل کیوں نہیں کر لیتا کیونکہ اعتدال ہر امر میں اچھا ہے“۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

”عن ابن طاؤوس، عن ابیہ انہ کان یأخذ من لحیتہ ولا یوجبہ“ یعنی (عبداللہ ابن طاؤس اپنے والدِ گرامی کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ: وہ اپنی داڑھی کے زوائد تراش لیا کرتے تھے اور حدِ شرع سے کم نہیں کرتے تھے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 109 رقم 4)

حضرات حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ کا فتویٰ:۔

”عن ابی ھلال قال: سألت الحسن وابن سیرین فقالا: لا بأس بہ ان تأخذ من طول لحیتک“ یعنی (ابو ھلال فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری اور حضرت محمد سیرین رحمہما اللہ سے داڑھی کے بارے میں سوال کیا تو دونوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تو اپنی داڑھی کو لمبائی کی جانب سے تراش لیا کرے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 109 رقم 10)

(عمدۃ القاری شرح الصحیح البخاری 'للعینی' جلد 22 صفحہ 72)

(ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی جلد 8 صفحہ 464)

(فتح الباری شرح البخاری للعسقلانی جلد 10 صفحہ 395)

(التوضیح شرح الجامع الصحیح لابن ملقن جلد 28 صفحہ 116)

حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا اخذِ لحیہ کے جواز پر فتویٰ:۔

ہم یہ قول سابق میں

بھی پیش کر چکے ہیں کہ: ''**وعن الحسن المثنی : انہ قال: اذا رأیت رجلا ذا لحیۃ طویلۃ ولم یتخذ لحیۃ بین لحیتین کان فی عقلہ شیئ** ''یعنی (حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جب بھی کسی لمبی داڑھی والے کو دیکھا ہے جو داڑھی میں میانہ روی نہیں رکھتا تو اس کی عقل میں کمی ضرور تھی)۔

(شرح الشفاء لملا علی القاری جلد 1 صفحہ 160)

(کشف الخفاء للعجلونی جلد 2 صفحہ 256)

(فیض القدیر للمناوی جلد 7 صفحہ 516)

(زرقانی علی المواہب جلد 5 صفحہ 508)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

''**قال قتادۃ :عن ابن عمر کان یقبض علی لحیتہ ویقطع ما فضل عنھا ، فقبضت علی لحیتی وقطعتھا من فوق** ''یعنی (قتادہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ

عنہما اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زوائد کو کاٹ لیا کرتے تھے تو میں بھی اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیتا ہوں)۔

(عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی لابی بکر المالکی جلد 10 صفحہ 162)

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ اور اخذ لحیہ :۔

امام الائمہ امام محمد رحمہ اللہ نے

کتاب ''الآثار'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی داڑھی تراشنے والی روایت کو ذکر فرمانے کے بعد اخذ لحیہ کے بارے میں فرمایا کہ: **''وبہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ''** (یعنی ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ہمارے امام امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے)۔

(کتاب الآثار لامام محمد صفحہ 194 باب حف الشعر من الوجہ)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور اخذ لحیہ :۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید القیر وانی فرماتے

ہیں کہ: **''وامر النبی ﷺ ان تعفی اللحیۃ،وتوفرولا تنقص،قال مالک:لابأس بالاخذ من طولھااذا طالت کثیرا وقالہ غیر واحد من الصحابۃ والتابعین''** یعنی (رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ: داڑھیاں بڑھائی جائیں اور زیادہ کی جائیں اور کاٹی نہ

جائیں، امام مالک فرماتے ہیں کہ: داڑھیاں جب بہت زیادہ لمبی ہوجائیں تو انہیں لمبائی کی طرف سے کاٹ لینے میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول اکثر صحابہ وتابعین کا ہے)۔

(الرسالۃ فی فقہ الامام مالک للقیروانی صفحہ 113، 114)

امام شافعی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

''قال الزعفرانی : قدم علینا الشافعی بغداد فی سنة خمس وتسعین ، فاقام عندنا شهرا، ثم خرج ، وكان يخضب بالحناء وكان خفيف العارضين''یعنی زعفرانی فرماتے ہیں کہ: امام شافعی ہمارے پاس بغداد سن 195ھ میں تشریف لائے چنانچہ ہمارے پاس وہ ایک مہینہ مقیم رہے پھر تشریف لے گئے، آپ بالوں کو مہندی لگایا کرتے تھے اور آپ ایک مشت تک ہلکی داڑھی والے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 8 صفحہ 272)

اس روایت کے ''**خفيف العارضين**'' سے ''ایک مشت تک ہلکی داڑھی والے'' مراد لینا سیاق سباق اور ظاہر کے بالکل عین مطابق ہے کیونکہ امام شافعی بھی داڑھی کے ایک مشت سے بڑھے ہوئے بالوں کو تراش دیا کرتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ:

''قال المزنی: ما رأیت احسن وجھا من الشافعی رحمہ اللّٰہ وکان ربما قبض علیٰ لحیتہ، فلا یفضل عن قبضتہ'' یعنی جناب مزنی فرماتے ہیں کہ: میں نے امام شافعی سے بڑھ کر کسی کو اتنا حسین نہیں دیکھا آپ کبھی اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیتے اور ان بالوں کو اپنی مٹھی سے بڑھنے نہیں دیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء للذھبی جلد8صفحہ238)

چنانچہ ثابت ہوا کہ امام شافعی بھی اخذ واعفاء کے مابین منافاۃ کے قائل نہیں تھے۔

حضرات مجاہد اور ابن جریج رحمہا اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

''عن ابن ابی نجیح، عن مجاہد: (ثم لیقضوا تفثھم) قال: حلق الرأس و حلق العانۃ، وقص الاظفار والشارب ورمی الجمار وقص اللحیۃ'' یعنی (ابن ابی نجیع حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کی اس آیت (ثم لیقضوا تفثھم) کے بارے میں فرمایا کہ: اس سے مراد سر اور گُدی کا حلق کروانا، ناخن اور مونچھیں تراشنا، جمرات کو رمی کرنا اور داڑھی تراشنا ہے)۔

(تفسیر مجاھد صفحہ168 رقم1038)

(تفسیر ابن جریر الطبری جلد8صفحہ185 رقم25128)

اس روایت پر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ: اس میں ''وقص اللحیۃ'' کے الفاظ

نہیں ہیں کیونکہ ''**عن ابن جریج ،عن مجاہد مثلہ الا انہ لم یقل فی حدیثہ :و قص اللحیۃ**''یعنی (ابن جریج فرماتے ہیں کہ: جناب مجاہد رحمہ اللہ سے روایت تو اسی طرح ہے مگر انہوں نے اپنی روایت میں داڑھی تراشنے کا ذکر نہیں کیا)۔

(تفسیر ابن جریر الطبری جلد8 صفحہ185 رقم25129)

تو میں کہتا ہوں مجاہد کا جو قول تم نے ابن جریج کے حوالے سے پیش کیا ہے وہ ضعیف ہے اسکی سند میں ایک راوی ''حسین بن داود المصیصی '' جس نے اپنے شیخ ''حجاج'' کو روایت میں تلقین کی ہے اور''**قص اللحیہ** '' کے اثبات والی جو سند اوپر پیش کی گئی ہے وہ تفسیر ابن جریر الطبر ی کے ذیل میں محقق کی جانب سے ''صحیح'' قرار دی گئی ہے۔اور رہا ''ابن جریج'' کا معاملہ تو اولاً تو انہوں نے مجاہد سے تفسیر کا سماع نہیں کیا اور دوسرا یہ کہ: صحیح سند کے ساتھ خود ابن جریج کا اپنا قول ''اخذ لحیہ'' کے جواز پر شاہد ہے چنانچہ: ''**قال ابن جریج عن قولہ (ثم لیقضوا تفثھم) قال: الاخذ من اللحیۃ و من الشارب ۔۔۔الخ۔** ''یعنی (ابن جریج،قرآن مجید کی اس آیت (**ثم لیقضوا تفثھم**) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد داڑھی اور مونچھ وغیرہ کے تراشنے کی اجازت ہے۔۔۔۔۔۔۔الخ۔)

(تفسیر ابن جریر الطبری جلد8 صفحہ185 رقم25125)

معلوم ہوا کہ: ''**قص اللحیۃ** '' کے الفاظ والی روایت درست ہے اور غلط قرار دینے بات صحیح نہیں۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ :۔

''عن ابن عمر انه كان يأخذ ما فوق القبضة وقال وكيع : ما جاوز القبضة'' یعنی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کو تراش لیا کرتے تھے اور جناب وکیع فرماتے ہیں کہ :اس کا مطلب یہ ہے کہ: داڑھی کے وہ بال جو مشت سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 109 رقم 7)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ :۔

''عن منصور قال: سمعت عطاء بن ابی رباح قال: كانوا يحبون ان يعفوا اللحية الا فی حج او عمرة'' یعنی (منصور فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: صحابہ کرام داڑھیاں بڑھانے کو ہی پسند فرمایا کرتے تھے لیکن جب حج وعمرہ سے فارغ ہوتے (تو مشت سے زائد بالوں کو تراش لیا کرتے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 6 صفحہ 109 رقم 3)

اس روایت سے اگر تم تخصیصِ حج وعمرہ پر اخذِ لحیہ کے لئے استدلال کرو تو یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ خود جناب عطاء بن ابی رباح جو اسے روایت کررہے ہیں وہ بھی تخصیص کے

قائل نہیں تھے کیونکہ انہوں نے مطلقاً اخذِ لحیہ کے جواز پر فتویٰ دیا ہے چنانچہ!

''**قال عطاء : لابأس ان یأخذ من لحیته الشیء القلیل من طولها وعرضها اذا کبرت وعلت کراہة الشهرة وفیه تعریض نفسه لم یسخر به** ''یعنی (عطاء فرماتے ہیں کہ: داڑھی جب زیادہ بڑی ہوجائے تو اس کے طول وعرض سے تھوڑا تراش لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ زیادہ لمبا ہونا کراہت کا سبب ہے اور اسی میں اس شخص کے نفس کو ابھارنا بھی ہے جو داڑھی رکھنے پر مائل نہیں)۔

(عمدۃ القاری شرح الصحیح البخاری 'للعینی' جلد22 صفحہ72)

(ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی جلد8 صفحہ464)

(فتح الباری شرح البخاری للعسقلانی جلد10 صفحہ395)

چونکہ علماءِ اصول کے ہاں یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ: جب راوی کا اپنا عمل یا فتویٰ روایت کے خلاف ہوتو ترجیح راوی کے فتویٰ کو ہی ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ: جناب عطاء بن ابی رباح کے نزدیک بھی اخذِ لحیہ کا جواز احرام سے ہی خاص نہیں ہے۔

حضرت محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ :۔

''**قال ابو صخر، عن محمد بن کعب القرظی انه کان یقول فی هذه الایة: (ثم لیقضوا تفثهم) رمی الجمار، وذبح الذبیحة ، واخذ من الشاربین واللحیة والاظفار والطواف بالبیت**

وبالصفا والمروۃ ''یعنی (ابوصخر کہتے ہیں کہ جناب محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ قرآن کی اس آیت (**ثم لیقضوا تفثھم**) کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جمرات کو رمی کرنا، جانور ذبح کرنا، مونچھیں، داڑھی اور ناخنوں کو تراشنا اور بیت اللہ شریف اور صفاء و مروہ کا طواف ہے)۔

(تفسیر ابن جریر الطبری جلد 8 صفحہ 185 رقم 25125)

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

''**قال القاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ: یکرہ حلقھا وقصھا وتحریقھا واما الاخذ من طولھا وعرضھا فحسن وتکرہ الشھرۃ فی تعظیمھا کما تکرہ فی قصھا وجزھا**''یعنی (قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: داڑھی کا منڈانا، کاٹنا یا صاف کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن وہ جب بڑھ جائے تو اس کے طول وعرض سے تراش لینا اچھا عمل ہے اور داڑھی کو بہت زیادہ طویل کر دینا اسی طرح مکروہ ہے جیسا کہ اسے کاٹ یا اکھیڑ کر حد سے کم کرنا)۔

(المنہاج شرح مسلم للنووی جلد 1 صفحہ 270)

حضرت ابن الملک رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

ہم اسے بھی سابق میں نقل کر چکے ہیں کہ:

"قال ابن الملک: تسویۃ شعر اللحیۃ سنۃ، وھی ان یقص کل شعرۃ اطول من غیرھا لیستوی جمیعھا" یعنی (شیخ ابن الملک فرماتے ہیں کہ: داڑھی کے بالوں کو برابر کرنا سنت ہے اور وہ یوں کہ: حد سے بڑھے ہوئے ہر بال کو کاٹ دیا جائے تا کہ تمام طرفیں برابر ہو جائیں)۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ لملا علی القاری جلد8 صفحہ285)

امام ابوبکر ابن العربی المالکی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ :۔

اسے بھی ہم سابق میں ذکر کر چکے ہیں کہ علامہ ابوبکر مالکی نے فرمایا: "**ان ترک لحیتہ فلا حرج علیہ الا ان یقبح طولھا فیستحب ان یأخذ منھا**" یعنی (اگر اپنی داڑھی کو یونہی چھوڑ دے تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کی لمبائی قباحت کی باعث نہ ہو ورنہ اسے تراش لینا مستحب ہے)۔

(عارضہ الاحوذی شرح جامع ترمذی جلد10 صفحہ162)

بحمدہ تعالیٰ کتبِ معتمدہ مستندہ کی روشنی میں ان تمام شیوخانِ امت کے عمل سے واضح ہو گیا کہ یہ سب کے سب حضرات داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کو تراشنے کے حق میں تھے اور ان کے ساتھ اس مؤقف میں وہ کثیر علماء امت بھی شامل ہیں جن کا ذکر سابق میں ان کی کتب کے حوالے سے کر دیا گیا ہے مثلاً! "بدر الدین العینی، ابن حجر عسقلانی، قسطلانی، زرقانی، ملا علی القاری، امام زادہ، بروسوی، کاسانی، سرخسی، شامی،

حصکفی ،بیہقی ، ابن ابی شیبہ، بخاری ،ترمذی ، ابوداؤد، ابن ملقن ،حلبی ، دیاربکری ، شیخِ محقق ، ابن حجرمکی ،ابن نجیم ،ابن ہمام ،قاضی سلیمان ، النبہانی ،غزالی ، ابو طالب مکی ، ابن ناصرالدین الدمشقی ، صالحی دمشقی ، بوصیری ،سہارنپوری ، خوارزمی وغیرہم رحمہم اللہ'' اور یہ سب کے سب بھی اسی پرفتوٰی دیا کرتے تھے ،اور باقی رہی حج یا عمرہ کی تخصیص تو اس کا تسلی بخش جواب بھی سابق میں دیدیا گیا ہے، کچھ بھی ہوان تمام مباحث سے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ ان سب کے نزدیک بھی حکمِ اعفائ''عمومیت بالتخصیص منہ'' پر ہی محمول تھا۔ کیونکہ تمہارے لگائے ہوئے فتوٰی کی رو سے تو حج ،عمرہ سے فراغت پر بھی داڑھی تراشنا خلافِ سنت ہے، حالانکہ یہ تمام آثار تو حج ،عمرہ سے فراغت پر بلکہ عام حالات میں بھی داڑھی تراشنے کے حق میں ہیں۔

باب

اخذِ لحیہ اور

اختلافِ علماء

اعتراض:۔

جمہور علماء میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو داڑھی تراشنے کو مطلقاً منع کرتا ہے مثلاً!

(1)۔ امام ملا علی القاری ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' جلد 8 صفحہ 285، امام غزالی'' احیاء العلوم'' جلد 1 صفحہ 166 اور امام ابو طالب المکی کی ''قوت القلوب'' جلد 2 صفحہ 243 میں ہے کہ: ''**کرھہ الحسن و قتادۃ**'' یعنی (حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ رحمہا اللہ داڑھی تراشنے کو مکروہ سمجھا کرتے تھے)۔

(2)۔ امام ابو طالب المکی ''قوت القلوب'' جلد 2 صفحہ 285 میں خود اپنا موقف پیش کرتے ہیں کہ ''**وترکھا عافیۃ علی خلقتھا احب الیّ**'' یعنی (اور داڑھی کو اسکی حالت پر چھوڑ دینا میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے)۔

(3)۔ امام غزالی کے نزدیک داڑھی کو کسی بھی حال میں کٹوانا جائز نہیں، کیونکہ انہوں نے ''احیاء العلوم'' جلد 1 صفحہ 166 میں فرمایا ہے کہ: ''**ترکھا عافیۃ احب لقولہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''**اعفوا اللحی**''''یعنی داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: داڑھیاں بڑھاؤ۔

(4)۔ امام نووی کی شرح صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 270 میں ہے کہ: ''**والمختار ترک اللحیۃ علی حالھا وان لایتعرض لھا بتقصیر شیء اصلا**'' یعنی (اور مختار یہ ہے کہ: داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کاٹا جائے)۔

(5)۔ اسی طرح بہجۃ الاسرار صفحہ 90 میں ہے کہ: سیدنا ومولانا الشیخ عبد القادر الجیلانی ''**عریض اللحیۃ طویلھا**'' تھے یعنی آپ رضی اللہ عنہ چوڑی اور لمبی داڑھی والے تھے، نیز یہی بات امام موفق بن قدامہ حنبلی نے ''المغنی'' میں بھی لکھی، اسی طرح شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ''مدارج النبوۃ'' جلد 1 صفحہ 2 میں لکھا ہے کہ: ''**کان الشیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ طویل اللحیۃ وعریضھا**'' یعنی شیخ محی الدین عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمبی اور چوڑی داڑھی والے تھے۔

(6)۔ امام بدرالدین عینی ''البنایۃ شرح الہدایۃ'' جلد 3 صفحہ 346 میں فرماتے ہیں کہ: ''**اختلف فی اعفاء اللحیۃ قال بعضھم: یترکھا حتی تکثف وتکبر**'' یعنی داڑھی بڑھانے میں اختلاف ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ: داڑھی کو یونہی چھوڑ دے تاکہ وہ خوب گھنی اور بڑی ہو جائے۔ لہذا معلوم ہوا کہ: بعض علماء داڑھی کو لمبا کرنے کے حق میں ہیں اور تراشنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

الجواب:۔

اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے میں کہتا ہوں کہ: جب ہم نے صحابہ کرام وتابعین کے آثار کو بطور دلیل پیش کیا تھا تو ان آثار کو بڑی ''بے دردی'' کے ساتھ ''منفرد'' کا لیبل لگا کر رد کر دیا گیا، لیکن یہ عجب بھی کیا غضب؟ کہ: وہ حضرات جو صحابہ کرام کو ''حجت نیست'' کہہ کر چھوڑ چکے وہ بے یارے اب تابعین وعلماء کا سہارا لے رہے ہیں؟ ایسے صاحبان کو تو جمہور علماء کی مدد لینے کا بھی حق نہ تھا پھر بھی ہماری دریا

دلی یہی کہتی ہے کہ تمہارا یہ وہم بھی دور کر دیا جائے، چنانچہ!

(1)۔ حضرت حسن بصری و حضرت قتادہ رحمہا اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

حالانکہ ہم سابق میں

ان دونوں بزرگوں کے آثار بھی کئی کتب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات بھی بعد میں ''اخذِ لحیہ'' کے قائل ہو گئے تھے، یعنی یہ دونوں بزرگ پہلے داڑھیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کے قائل تھے پھر ان دونوں بزرگوں نے اپنے سابقہ مؤقف سے رجوع کر لیا اور یہ بھی داڑھی کے زوائد تراشنے کے جواز پر ہی فتویٰ دینے لگے جیسا کہ ہم نے عارضہ الاحوذی شرح ترمذی کے حوالے سے جناب قتادہ اور تقریبا 5 کتب کے حوالے سے جناب حسن بصری کا قول داڑھی تراشنے کے حق میں پیش کر دیا ہے۔

اور اسی پر تمہارے بڑے بھی راضی و مائل تھے چنانچہ تمہارے مرشدِ شہیر ''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ 127 میں لکھتے ہیں کہ: ''جب کبھی داڑھی کے بال بکھر جاویں اور داڑھی ایک مٹھی سے بڑی ہو اس وقت داڑھی کو مٹھی سے پکڑ کر زیادہ کو کٹوا دینا جائز ہے ،اسی کے قائل حسن بصری، عطائ، قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور یہی مذہب اکثر علماء کا ہے، بموجبِ تحریر استاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے، چنانچہ شاہ صاحب ممدوح شرح موطا کے حاشیہ میں عبد اللہ بن عمرؓ کے اثر مذکور کے تحت فرماتے ہیں ''**وعلیہ اہل العلم۔۔الخ**'''' (یعنی اسی پر اہلِ علم کا اتفاق ہے)۔

جی جناب ! ثابت ہوا کہ: یہ دونوں حضرات بھی اخذِ لحیہ کے ہی قائل تھے، چونکہ کراہت والا قول مرجوح ہے اور جواز والا قول راجح وقوی ہے جس پر دلائلِ متداولہ شاہد ہیں لہذا اخذِ لحیہ کا قول دونوں حضرات سے ثابت ہوا۔

(2)۔امام ابو طالب المکی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

بلاشبہ امام ابو طالب المکی نے قوت القلوب میں داڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا اپنے نزدیک ''احب'' قرار دیا ہے لیکن تعجب ہے کہ: خود انہوں نے ہی قوت القلوب جلد 2 صفحہ 243 میں داڑھی کی حد کو بھی بیان کیا اور اس سے کم یا زیادہ کرنے کو محدثات (بری بدعات) میں سے قرار دیا جس کا بیان سابق میں تفصیلاً کر دیا گیا ہے اور تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ محدثات کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ تمہارے خطیب ہر تقریر سے پہلے خطبوں میں راگ لگا کر یہی تو پڑھتے ہیں **''کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار''۔**

بہر حال چونکہ دونوں طرح کا قول قوت قلوب کی روشنی میں ملاحظہ ہو چکا تو اب اس میں تطبیق کی گنجائش صرف یہی تسلیم کرنے میں ہے کہ: امام ابو طالب المکی بھی اسی کے قائل ہیں کہ داڑھی کو اتنا بڑھانا ہی اچھا عمل ہے جس سے کراہت پیدا نہ ہو۔

(3)۔امام غزالی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

امام غزالی کے حوالے سے ایسی کوئی بات ہماری نظروں سے نہیں گزری جس میں یہ ہو کہ: ''آپ داڑھی کو کسی بھی حال میں کٹوانا جائز

نہیں سمجھتے تھے'' خوب چھان بین کے بعد یہ بات اگر ملی بھی ہے تو بے حوالہ اور وہ بھی صرف تمہارے ہی معتبر ''فتاویٰ ثنائیہ'' میں، لیکن وہاں بھی امام غزالی کے بارے میں صرف قیاس آرائی سے ہی کام چلایا گیا ہے جو خلافِ حقیقت ہے، اور رہی وہ عبارت جو احیاء العلوم کے حوالے سے سابق میں پیش کی گئی کہ ''**ترکھا عافیۃ احب لقولہ ﷺ ''اعفوا اللحی''**'' تو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ: یہ قول امام غزالی کا اپنا نہیں بلکہ اس سے پہلے ''**قالا**'' کی صراحت جناب حسن بصری اور جناب قتادہ کی جانب راجع ہے، اور یہ انہی دونوں حضرات کا سابقہ مؤقف تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور یہی امام غزالی نقل کر رہے ہیں تو اس قول کو امام غزالی کی جانب منسوب کرنا خالص غلطی ہے۔

کیونکہ بذاتِ خود امام غزالی اپنی ''احیاء العلوم'' میں داڑھی کے مشت سے زائد بالوں کو تراشنے کے جواز پر فتوٰی دیتے ہوئے ایک مفصل اور تسلی بخش بحث کر چکے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ: امام غزالی نے اپنی احیاء العلوم میں داڑھی کے بے جا لمبا ہونے کی کراہت کی صراحت بھی فرما دی ہے جو اہلِ علم پر مخفی نہیں، جسے سابق میں ہم کئی مواقع پر بیان کر چکے ہیں چنانچہ امام غزالی کے اسی مؤقف کو امام ملا علی قاری نے بھی اپنی ''المرقاۃ'' میں بھی نقل کیا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ امام غزالی بھی مشت سے زائد بالوں کو تراشنے کے ہی حق میں ہیں اس کے خلاف نہیں۔

(4)۔امام نووی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

پھر جہاں تک بات امام نووی کی ہے تو ہاں!۔۔۔

انہوں نے واقعی ''**المنھاج شرح صحیح مسلم** '' میں اسی موٴقف کو اپنایا ہے، لیکن نہ تو وہ جمہور علماء کا موٴقف ہے اور نہ ہی اس پر قوی و موٴثر دلائل شاہد، حالانکہ خود علامہ نووی نے اسی جگہ امام قاضی عیاض مالکی کا موٴقف بھی نقل فرمایا کہ: ''**وقال القاضی عیاض رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: یکرہ حلقھا وقصھا وتحریقھا، واما الاخذ من طولھا وعرضھا فحسن، وتکرہ الشھرۃ فی تعظیمھا کما تکرہ فی قصھا وجزھا، قال: وقد اختلف السلف، ھل لذالک حد؟ فمنھم من لم یحدد شیأ فی ذالک الا انہ لا یترکھا لحد الشھرۃ ویأخذ منھا، وکرہ مالک طولھا جدا، و منھم من حدد بما زاد علی القبضۃ فیزال، و منھم من کرہ الاخذ منھا الا فی حج او عمرۃ**''۔

(المنھاج شرح الصحیح للمسلم الحجاج جلد 1 صفحہ 129)

یعنی (اور قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: داڑھی کو مونڈنا، کاٹنا اور کم کرنا مکروہ ہے لیکن اس کے طول وعرض سے (زوائد کو) تراشنا اچھا عمل ہے، اور جس طرح اس کا کاٹنا وغیرہ مکروہ ہے اسی طرح اسے حدِ اعتدال سے بھی زیادہ کر دینا مکروہ ہے، نیز فرمایا: اسلاف میں صرف اتنا اختلاف ہے کہ: کیا اس کاٹنے کی کوئی حد بھی ہے؟ چنانچہ ان میں سے کچھ وہ حضرات ہیں جو کوئی حد تو نہیں لگاتے البتہ وہ اسے بے حد لمبا بھی نہیں ہونے دیتے اور اس سے تراش لیا کرتے ہیں، نیز امام مالک نے بھی داڑھی کو بے جا طویل کرنا مکروہ قرار دیا ہے، اور ان میں سے کچھ وہ حضرات ہیں جو مشت سے زائد کی قید لگاتے ہیں کہ اس سے زائد کو زائل کر دیا جائے گا، اور ان میں

سے کچھ وہ ہیں جو حج یا عمرہ کے علاوہ داڑھی کاٹنے کے قائل نہیں)۔

حیرت ہے علامہ نووی نے امام قاضی عیاض مالکی کے بیان کردہ جن مذاہب کا ذکر فرمایا ہے وہ سب کے سب تو کسی نہ کسی صورت ''اخذِ لحیہ'' کے ہی قائل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ تمام ''**حدیثِ اعفاء**'' کی تعمیم کو ''**تعمیم بالتخصیص منہ**'' پر ہی محمول کرتے ہیں، جن کا بالخصوص تمہیں تو کوئی فائدہ ہی نہیں، لیکن ہاں!۔۔۔ تمہیں یہ جان کر ہلکی پھلکی خوشی تو ضرور ہوگی کہ: مذاہبِ مذکورہ بالا سے ہٹ کر علامہ نووی نے اپنا مؤقف حدیثِ اعفاء کی تعمیم کو ''**تعمیم بلا تخصیص منہ**'' پر محمول کرتے ہوئے اپنایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ: ''**والمختار ترک اللحیۃ علی حالھا وان لا یتعرض لھا بتقصیر شیء اصلا**'' یعنی (ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ: داڑھی کو اپنے ہی حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس سے بالکل کچھ بھی کم نہ کیا جائے) لیکن جناب!۔۔ ذرا مذکورہ عبارت پر پھر سے نظر دوڑاؤ! لفظ ''**والمختار**'' نے تمہارے کئے کرائے پر پانی پھیر کے رکھ دیا کیونکہ تم تو ''داڑھی تراشنے'' کی سرے سے ہی اجازت نہیں دیتے لیکن علامہ نووی کے ''**المختار**'' نے داڑھی تراشنے والے فعل میں ذرا تخفیف اور لچک کا اظہار کر دیا۔

ثابت ہوا کہ: علامہ نووی خود بھی ''اخذِ لحیہ'' کو جائز ہی سمجھتے تھے اگر چہ انہوں نے داڑھی بڑھانے کو ہی اختیار کیا، ورنہ ایک طرف اجماعِ امت اور دوسری جانب امام نووی کا ''منفرد'' قول ہے، بلکہ یوں کہو! کہ: ایک طرف جمہور علماء کے مختار کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے واضح آثار اور دوسری جانب علامہ نووی کا قولِ مختار، تو میں پوچھتا

ہوں کہ: تمہارے ہاں علامہ نووی کے قول کو جمہور کے مقابلے میں حیثیتِ استناد بالترجیح کیونکر حاصل ہوگئی؟

چلو یہ سب بھی چھوڑو! تم تو یہ بھی کہا کرتے ہو کہ: بغیر دلیل جانے کسی کے قول پر اعتماد کر لینا تقلید کہلاتا ہے تو ذرا سعی کر کے یہ بھی بتا دو کہ علامہ نووی کے پاس ترکِ لحیہ کی کونسی دلیل ہے؟ اگر نہیں تو تم امام نووی کے مقلد ہوئے اور اگر تعمیمِ اعفاء بلا تخصیص کو دلیل سمجھو تو یہ بھی تمہارے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں کیونکہ اگر علامہ الشیخ نووی نے" **المنہاج شرح صحیح مسلم**" میں اس قول کو ترجیح دی ہے جو تمہیں پسند ہے تو خود علامہ الشیخ نووی نے ہی اپنی دوسری کتاب "**منحۃ الباری شرح صحیح بخاری**" میں اس قول کو ترجیح دی ہے جو ہمارا مؤید ہے جیسا کہ سابق میں بھی گزر چکا، چلو پھر سے ملاحظہ کر لو! لیکن اس بار ذرا دیدہء ظاہر کے ساتھ ساتھ عیونِ باطن کو بھی کھول لینا! چنانچہ علامہ نووی نے فرمایا!" (**خالفوا المشرکین**) **ای: المجوس کما فی الروایۃ: لانھم کان یقصرون لحاھم و منھم من یحلقھا، (وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ) روی مثلہ عن ابی ہریرۃ، و حمل النھی علی منع ما کانت الاعاجم تفعلہ من قصھا و تخفیفھا**"

(منحۃ الباری شرح صحیح بخاری للنووی جلد 9 صفحہ 121)

یعنی (مشرکین کی مخالفت کرو یعنی مجوسیوں کی جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کیونکہ وہ اپنی داڑھیوں کو کاٹ کر مشت سے بھی کم کر دیا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ تو مونڈ

دیا کرتے تھے لیکن چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے، لہذا داڑھیاں کٹانے سے جو ممانعت ہے اسے عجمیوں کی طرح کاٹنے یا مونڈ دینے پر ہی محمول کیا جائے گا)۔

چنانچہ اس تمام تصریح سے علامہ نووی کے دو قول سامنے آئے ! ایک وہ جس میں داڑھیاں بڑھانے کو ترجیح ہے، اور دوسرا وہ جس میں مشت سے زائد داڑھی کٹانے کو ترجیح ہے۔ پھر چونکہ بلا ترجیح واختیار دونوں پر افتاء تو ہو نہیں سکتا لہذا افتاء کیلئے کسی ایک قول کو ترجیح دینا لازم آیا۔

چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ: ''**منحۃ الباری**'' علامہ نووی کی بعد والی تصنیف ہے اور ''المنھاج'' پہلے والی، لہذا اس سے علامہ نووی کا اپنے سابقہ مؤقف سے رجوع ثابت ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: علامہ نووی بعد میں داڑھی کے زوائد تراشنے کے قائل ہو گئے تھے۔

لیکن اگر آپ رجوع نہ مانو تو اختلافِ اقوال کی وجہ سے ترجیحاتِ نووی ہی موقوف، اور اس سے بھی آپ ہی کا نقصان ہوا، مزید برآں کسی مؤقف کو اپنانا اور ہے اور اپنے مدِ مقابل کے مؤقف کو ''خلافِ سنت'' کا فتوی لگا کر رد کرنا اور ہے اور بلاشبہ امام نووی نے ''المنھاج'' میں ایسا کچھ بھی نہیں کہا، لہذا ''المنھاج'' میں ذکر کردہ امام نووی کا قول آپ حضرات کو کسی بھی حال میں قطعاً مفید نہیں۔

(5)۔سیدنا غوث اعظم صمدانی سبحانی رحمہ اللہ اور اخذِ لحیہ:۔

پھر رہی بات سرکار

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک کے حوالے سے! تو بیشک سرکارِغوث اعظم رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک خوب گھنی اور لمبی چوڑی تھی لیکن اتنی لمبی بھی نہ تھی کہ: حدِ اعتدال سے ہی متجاوز ہو جائے اور یہی تحقیق ہے۔

کیونکہ سرکار غوث پاک نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''**غنیۃ الطالبین**'' کے ''**الباب الخامس فی الآداب**'' میں داڑھی کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آثار کا نقل کیا ہے، فرمایا کہ!

''(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: وہ اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: داڑھی کے مٹھی سے زائد بال کاٹ لیا کرو)''

اس سے معلوم ہوا کہ: خود سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ بھی داڑھی کے ایک مشت سے زائد بالوں کو تراشنے کے حق میں تھے، کیونکہ ان آثار کو بلا تنقید نقل کرنے سے پہلے یا بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا مؤقف بیان نہیں فرمایا کہ: جس سے ثابت ہوتا ہو کہ: ان کے نزدیک داڑھی کو حدِ اعتدال سے بڑھا دینا ہی صحیح عمل ہے۔

لہذا جب حضور شہنشاہِ بغداد و جیلاں رضی اللہ عنہ خود اپنی کتاب میں داڑھی تراشنے کے آثار نقل فرما ہیں تو بھلا خود سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کی داڑھی حدِ اعتدال سے کیونکر متجاوز مان لی جائے؟

پھر تم تو یہاں یہ بہانہ بھی نہیں لگا سکتے کہ: ''غنیۃ الطالبین'' سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کی کتاب ہی نہیں، کیونکہ اسی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کا ترجمہ خود تمہارے ایک

عالم''حافظ مبشر حسین لاہوری'' نے بھی کیا ہے بلکہ اس کے''پیش لفظ'' میں اس کتاب کا سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کی جانب کچھ یوں منسوب نامہ بھی پیش کیا ہے کہ:

''غنیۃ الطالبین :اس کتاب کا معروف نام تو یہی ہے مگر اس کا اصل اور بذاتِ خود شیخ کا تجویز کردہ نام یہ ہے: **''الغنیۃ لطالبی طریق الحق''** یہ کتاب نہ صرف یہ کہ: شیخ کی سب سے معروف کتاب ہے بلکہ شیخ کے افکار ونظریات پر مشتمل ان کی مرکزی تالیف بھی یہی ہے۔ دورِ حاضر میں بعض لوگوں نے اسے شیخ کی کتاب تسلیم کرنے سے انکار یا تردد کا اظہار بھی کیا ہے لیکن اس سے مجالِ انکار نہیں کہ: یہ شیخ ہی کی تصنیف ہے جیسا کہ حاجی خلیفہ اپنی کتاب''کشف الظنون'' میں رقم طراز ہیں کہ: **''الغنیۃ لطالبی طریق الحق للشیخ عبد القادر الکیلانی الحسنی المتوفی سنۃ ۵۶۱ھ احدی وستین وخمس مائۃ''**(ص:۱۲۱۱/۲)غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی جو ۵۶۱ ہجری میں فوت ہوئے انہی کی کتاب ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ (البدایہ: ۱۲/۲۵۲) میں اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ (ج ۵/ ص ۱۵) میں اسے شیخ کی تصنیف تسلیم کیا ہے''۔۔۔۔۔۔**(انتہی کلامہ)**

لیجیے جناب! اب تو سارے ابہامات بھی دور ہوگئے اور ثابت ہوگیا کہ: تمہارے نزدیک''غنیۃ الطالبین'' سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ ہی کی تصنیف ہے اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ: حضور شیخ جیلاں رضی اللہ عنہ نے خود اس میں داڑھی کے تراشنے سے متعلق آثار نقل فرمائے جو آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی اسی عمل کی ترجیح ثابت کرنے کیلئے کافی وشافی ہیں۔۔۔۔۔۔۔**للہ فافہموا۔**

(6)۔بعض علماء کا موقف اور اخذِ لحیہ:۔

''البنایۃ'' کی عبارت کو بطور دلیل پیش کر کے یہ ثابت کرنا کہ ''بعض علماء داڑھی کو لمبا کرنے کے قائل تھے'' یہ استدلال انتہائی ضعیف اور مردود ہے اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ: لفظ ''بعض'' کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور تمہارے نزدیک بھی ''منفرد'' کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ البنایۃ کے قول ''بعضھم'' کے ابہام کو تم خود بھی دور نہیں کر سکتے، کیونکہ جن چند ایک سے داڑھی کو یونہی بڑھا دینے کا قول مروی تھا انہی سے رجوعاً اخذِ لحیہ کے جواز و مسنون ہونے پر بھی فتویٰ موجود ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔
تیسری وجہ یہ ہے کہ: خود امام بدر الدین عینی نے ''قال بعضھم'' فرما کے اس پر اپنے عدمِ اعتماد کا اظہار کر دیا اور اس کے بعد یوں لکھ دیا کہ: ''**والقص سنة ما زاد علی قبضة**'' یعنی مشت سے زائد بالوں کا تراش دینا ہی سنت ہے۔
اب آؤ دیکھتے ہیں کہ اس موہوم اختلاف کے پیشِ نظر تمہارے اپنے علماء کس قول پر فتویٰ دیتے ہیں؟ چنانچہ!

(1)۔

''فتاویٰ ثنائیہ'' جلد 2 صفحہ نمبر 127 میں یوں ہے کہ: ''آج ہم اس مسئلہ پر حضرت الامام مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی کا ایک فتویٰ ان کے مطبوعہ مجموعۃ الفتاویٰ صفحہ ۲۴۱ مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کے توجہ دلانے سے شائع کر رہے ہیں امید ہے کہ: حضرت امام صاحب کا یہ فتوی اس مسئلہ میں قولِ فیصل کی حیثیت سے

دیکھا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔بسم اللہ الرحمن الرحیم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، داڑھی اگر قبضہ سے زائد ہو اس کا کتروانا ''جائز'' ہے''۔

(2)۔

تمہارے مؤیدہ اور مسلمہ مشہورِ زمانہ مجلہ ''ہفت روزہ الاعتصام لاہور صفحہ 11 جلد 50 شمارہ 3، 17 رمضان 1418ھ، 16 تا 22 جنوری 1998ء'' میں ہے کہ: ''مٹھی تک داڑھی رکھنا جائز ہے اس سے کم حرام ہے''۔

(3)۔

تمہارے فقیہ اعظم اور نوابِ اہل حدیث وحید الزمان حیدر آبادی نے ''لغات الحدیث'' جلد 1 صفحہ 24 باب الھمزہ مع الخاء میں لکھا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کے بال کترواتے تھے''۔

ثابت ہوگیا کہ: داڑھی کے مشت سے بڑھے ہوئے بال تراشنا تم ''Latest'' اہلحدیثوں کو چھوڑ کر باقی سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

لطیفہ:۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی ''شرح المقاصد'' کے شروع میں صفحہ 94 پر اس کتاب کے محقق نے مقدمہ لکھتے ہوئے 780ھ میں وفات پانے والے ایک بزرگ ''ضیاء الدین بن سعد اللہ بن محمد بن عثمان بن قاضی عشیثی قزوینی'' کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ: ''**کانت لحیته طویلة جدا بحیث تصل الی قدمیه کان اذا رکب یفرقها فرقتین**'' یعنی ان کی داڑھی اتنی لمبی

تھی کہ قدموں تک پہنچ جاتی تھی اور جب وہ سوار ہونے لگتے تو داڑھی کو درمیان سے دو حصوں میں کرلیا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ، آثارِ صحابہ کرام وتابعین وفتاویٰ ائمہ وعلماءِ امت کو چھوڑ کر اس ایک بزرگ کے غیر شرعی ذاتی فعل کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا، جس کی متعدد وجوہات کا بیان تو خود تمہارے اپنے سابقہ دونوں فتووں میں موجود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سمجھنے اور قبول کرنے کی بھی توفیق بخشے! آمین۔

---تم بیان جواز اخذ اللحیۃ شرعا---

باب

داڑھی کے اردگرد کے

زائد بالوں کا خط کروانا

تم نے اپنے فتوٰی میں ایک دعوی کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ: خط بنانا یعنی پورے منہ کے کسی بھی حصے سے بال اکھیڑنا خلافِ سنت ہے کیونکہ وہ داڑھی میں شامل ہیں۔

الجواب:۔

میں کہتا ہوں کہ: تم اپنے اس مؤقف پر کوئی دلیل تو دے نہیں پائے اور دلیل بنایا بھی تو خودساختہ اسی معنوی تعیین ''**العام الذی لم یخص منہ البعض**'' کو، جس کا اہلِ علم میں سے کوئی بھی قائل نہیں ، اور ہم الحمدللہ سابق میں اچھی طرح یہ ثابت کر چکے ہیں کہ: اس عمومیت سے مراد عام کی پہلی قسم یعنی ''**العام خص منہ البعض**'' ہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: بلاشبہ اس مسئلہ میں بھی علماء کا ہلکا پھلکا اختلاف ضرور ہے لیکن راجح ترین مسلک یہی ہے کہ داڑھی کے علاوہ چہرے اور گلے کے زائد بال صاف کرنا جائز ہے چنانچہ اسکی وضاحت یوں ہے کہ!

لغت میں منہ کے دونوں جبڑوں کو''**لحیین**'' کہتے ہیں جیسا کہ : علامہ علی بن اسماعیل المعروف ''امام ابن سیدہ'' ''**المحکم والمحیط الاعظم**'' جلد 3 صفحہ 341 میں لکھتے ہیں کہ:''**واللحیانِ حائطا الفم،وھما العظمان اللذان فیھما الاسنان من داخل الفم**'' (اور''لحیین'' منہ کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ان دو ہڈیوں کا نام ہے جن پر منہ کے اندرونی جانب دانت لگے ہوتے ہیں (یعنی جبڑے))۔

چنانچہ اسی وجہ سے ان جبڑوں پر چڑھے ہوئے گوشت پر اُگے ہوئے بالوں کو ''لحیۃ''(داڑھی) کہہ دیا جاتا ہے،لیکن حق یہ ہے کہ:اوپری جبڑے پر اگنے والے بالوں پر''لحیہ''(داڑھی) کا اطلاق مناسب نہیں ، ورنہ مونچھوں کوبھی(جو اوپری جبڑے پر اگتی ہیں) داڑھی ہی ماننا پڑے گا اور یہ حدیثِ صحیح اور ظاہروباہر کے ہی خلاف ہے،چنانچہ نچلے جبڑے پر اگنے والے بالوں کوہی''لحیہ'' کہنا درست ہے،اور یہی روایات وآثار اور اصطلاحاتِ شارحین کی رو سے ثابت بھی ہے ، اور یہی جمہور اہلِ علم کے نزدیک اظہرواصوب معنیٰ ہے۔

لیکن اگرتم یہ کہو کہ:لغت کی معروف کتب مثلاً!''**المحکم والمحیط الاعظم**'' ''**لسان العرب**''،''**القاموس**'' ''**تاج العروس من جواہر القاموس**'' ، ''**المنجد**'' اور ''**المعجم الوسیط**'' وغیرھامیں ''**لحیۃ**'' کا معنیٰ یوں بیان کیا گیا ہے کہ: ''**شعر الخدین والذقن**''(یعنی گالوں اورٹھوڑی پر اگنے والے بالوں کو داڑھی کہتے ہیں)جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ: خد یعنی گال پر اگنے والے بال بھی داڑھی کہلاتے ہیں توحکمِ رسول ﷺ کی وجہ سے گالوں سے بھی بالوں کوصاف کرنا غیرشرعی ہے۔

الجواب:۔

میں کہتا ہوں کہ: مسئلہءخط کوسمجھنا دراصل ''داڑھی'' کی حدود پرموقوف ہے اورداڑھی کی حدود سمجھنے کیلئے''**خد**''اور''**عارض**'' کی ماہیت کوجاننا لازم، چنانچہ جب ہم ائمہ لغت کے نقل درنقل مذکورہ بالاتمہارے پیش کردہ اقوال پرغورکرتے ہیں تو

ان میں ''**خد**'' کے بالوں کو بلاتوقف ''داڑھی'' کہہ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ انہی علماءِ لغت نے ''**العارض**'' کی وضاحت میں بھی ''**خد**'' کو بیان کر دیا ہے **و کذالک العکس۔**

جس کا مطلب یہ ہوا کہ: ان کے نزدیک ''**خد**'' اور ''**عارض**'' دونوں ایک ہی چیز کے دو الگ الگ نام ہیں لیکن یہ بالکل درست نہیں کیونکہ خود یہی علماء لغت جب ''**خد**'' اور ''**عارض**'' کی وضاحت کرتے ہیں تو وہ یکسر مختلف ہوتی ہے جس سے عقل وشعور کو بھی یہی ماننے پر مدد ملتی ہے کہ: بلاشبہ ''**خد**'' اور ''**عارض**'' دو مختلف حصے ہیں لہذا انہیں ایک ہی چیز قرار دینا انصاف نہیں چنانچہ ہم ''**خد**'' اور ''**عارض**'' کی وضاحت کے سلسلے میں انہی علماء لغت کے وہ اقوال بھی پیش کرتے ہیں جو ایک سلیم الطبع کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیں گے کہ: بلاشبہ ''**خد**'' اور ''**عارض**'' میں فرق ہوتا ہے، چنانچہ!

(خد) کی وضاحت:۔

''**لسان العرب**'' اور ''**تاج العروس من جواہر القاموس**'' میں ہے کہ: ''**الخدان : جانبا الوجه وهما ما جاوز مؤخر العين الى منتهى الشدق وقيل: الخد من الوجه من لدن المحجر الى اللحى من الجانبين جميعا**'' یعنی (دونوں گال: چہرے کی دونوں جانب آنکھ کی انتہاء سے بڑھ کر نیچے کی طرف جبڑے کی بالائی حد تک ہوتے ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ: چہرے کے گال دونوں جانب آنکھ کے

قریب سے جبڑوں تک تمام درمیانی حصے کو کہتے ہیں)۔

نیز ''**لسان العرب**'' کے ساتھ ساتھ ''**المفردات فی غریب القرآن**'' میں مزید یوں بھی کہا گیا ہے کہ: ''**الخدان اللذان یکتنفان الانف عن یمین وشمال**'' یعنی (دونوں (گالیں) ناک کے دائیں اور بائیں دونوں طرف پھیلی ہوتی ہیں)۔

معلوم ہوا کہ: ''**خد**'' ناک کے دونوں طرف جبڑوں اور آنکھوں کی درمیانی جگہ ہے جسے ہماری زبان میں گال کہا جاتا ہے۔

(العارض) کی وضاحت:۔

''**عارض**'' کی وضاحت میں ائمہ لغت کا ''**لسان العرب، تاج العروس** اور **المفردات**'' وغیرہا میں متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ: ''**ما ولی الشدقین من الاسنان**'' یعنی (جبڑوں کے دانتوں والے حصے پر موجود گوشت کو ''عارض'' کہتے ہیں) جسے ہماری زبان میں ''رخسار'' کہا جاتا ہے۔

گال اور رخسار میں بھی فرق ہوتا ہے:۔

تعجب ہے کہ اردو کی کتبہائے لغت لکھنے والوں نے اکثر وبیشتر اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے کہ انہوں نے ''گال'' اور ''رخسار'' میں تمیز نہیں کی بلکہ ان دونوں کو ایک ہی قرار دے دیا ہے حالانکہ ''خد'' کو اردو زبان میں ''گال'' اور ''عارض'' کو ''رخسار'' کہا جانا چاہیے یہی صحیح ہے، کیونکہ گال رخسار سے بلند ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ورسولہ ﷺ۔

بہرحال ''العارض'' کی لغوی وضاحت کے بعداب مزید تین امور ثبوتی وضاحت طلب ہیں مثلاً!

امرِ اول:۔

''عارض'' پر اگنے والے بالوں کو ہی داڑھی کہا جائے گا،جسکی دلیل یہ ہے کہ:لسان العرب لفظ''العارض'' کی وضاحت میں یوں کہا گیا ہے کہ:''**وعارضة الانسان:صفحتا خديه ؛قولهم :فلان خفيف العارضين يراد به خفة شعر عارضيه، وفی الحديث: من سعادة المرء خفة عارضيه؛ قال ابن الاثير :العارض من اللحية ماينبت على عرض اللحی فوق الذقن ۔۔۔۔۔۔وقيل :اراد بخفة العارضين خفة اللحية**''۔

یعنی(انسان کے''عارض''اس کی گالوں کے نچلے حصوں کو کہا جاتا ہے،جیسا کہ عرب جب کسی کو''**خفيف العارضين**'' کہتے ہیں تو اس سے اس کی داڑھی کے بالوں کا غیر طویل ہونا مراد لیا جاتا ہے،اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ: آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ: اس کی داڑھی کے بال (ایک مشت تک) ہلکے ہوں، ابن اثیر کہتے ہیں کہ:''**عارض**'' داڑھی کو کہتے ہے جو ٹھوڑی اور جبڑوں کی چوڑائی پر اُگتی ہے۔۔۔ ۔۔نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ:''**عارضين**'' کے ہلکا ہونے سے داڑھی کا (ایک مشت تک) ہلکا ہونا مراد ہوتا ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہماری نظر کتب ہائے لغت کے ساتھ ساتھ روایاتِ متداولہ پر بھی

پڑتی ہےتو وہاں بھی ''**عارض**'' پر اگنے والے بالوں کو ہی ''داڑھی'' کے معنیٰ میں لیا گیا ہے جیسا کہ!

(i)۔ ابن ابی شیبہ حضرت ابراہیم نخعی کا حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں قول روایت کرتے ہیں جو سابق میں بھی گزر چکا کہ:''**کانوا یطیبون لحاھم ویأخذون من عوارضھا**'' یعنی (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی داڑھیوں کو سنوار کر رکھا کرتے تھے اور اپنی داڑھیوں کے ''**عوارض**'' کوتراش لیا کرتے تھے)۔

(ii)۔ نیز ابن ابی شیبہ ''منصور'' کا قول بھی روایت کرتے ہیں کہ: ''**وکان ابراھیم یأخذ من عارض لحیتہ**''یعنی (ابراہیم نخعی خود بھی اپنی داڑھی کے''**عارض**''کوتراشا کرتے تھے)۔

ثابت ہوا کہ:''**عارض**'' یعنی رخسار کے بالوں کو داڑھی کہنا ہی عربوں کی عادت ہے۔

امرِ ثانی:۔

داڑھی کا اطلاق ''خد''یعنی گال پر اُگے ہوئے بالوں پر نہیں ہوگا کیونکہ اعتراض میں موجود علماءِ لغت کا''**خد**'' کے بالوں کو داڑھی قرار دینا دراصل دو وجہوں سے ظاہر کے خلاف ہے! پہلی یہ کہ: اگر ائمہ لغت کی عبارات میں لفظِ''**خد**'' سے مراد''**بشمولِ خد**'' ہو تو دریں اثناء گالوں پر بالوں کی کثرت وجہِ قباحت وکراہت اور سببِ نقصِ جمال وکمال ہوگی، اور شرع شریف ہرگز بھی یہ نہیں

چاہتی،جسکی وضاحت سابق میں خوب تفصیل سے گزر چکی ،لہذ ااب یں طور ''**خد**'' پر اگنے والے بالوں کوداڑھی میں شمار کرنا بالکل بھی مناسب نہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ: اگر لفظ ''**خد**'' کو یہاں ''**انتہاء غایت**'' کے طور پر مرادلیا جائے جس کا مطلب یہ ہو کہ: گالوں تک یعنی اس سے نچلے بالوں کو ہی داڑھی کہا جائے گا تو کسی حد تک درست تو ہے لیکن یہ ''**عطفِ ذقن**'' کی وجہ سے ظاہر کے خلاف ہے ،یعنی اس صورت میں ٹھوڑی کے نیچے اگنے والے بالوں پر داڑھی کا اطلاق نہ ہوگا اور یہ صحیح نہیں،لہذ امعلوم ہوا کہ داڑھی کی ایسی تعریفی وضاحتیں جامع ومانع اور تسلی بخش نہیں ،یہی وجہ ہے کہ اس لفظی ''ہیر پھیر'' سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے علامہ ابن منظور''**لسان العرب** '' جلد 8 صفحہ نمبر 673 میں بعد ازاں خودداڑھی کی ایسی جاندار تعریف کرنے پر مجبور ہوئے جو تحقیق پسند طبائع کی پریشانی کو دور کر سکے چنانچہ فرمایا:''**واللحی :الذی ینبت علیہ العارض** ''یعنی (''**لحی**'' سے مراد وہ جبڑے لئے جائیں گے جن پر ''**عارض**'' کا گوشت ہوتا ہے)۔

پھر اسی قول کے حق میں امام اجل علامہ الشیخ بدرالدین عینی ''**عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری**'' جلد 22 صفحہ نمبر 46 رقم 108 میں یوں فرماتے ہیں کہ: ''**(اللحیۃ) : وھی اسم لما نبت علی الخدین والذقن قال بعضھم ، قلت: علی الخدین لیس بشیء ولو قال: علی العارضین لکان صوابا** ''یعنی (**لحیہ** : (داڑھی) ''**خد**'' اور ٹھوڑی پر اُگے ہوئے بالوں کو کہا جاتا ہے جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے ،لیکن میں کہتا

ہوں کہ: ''**خد**'' پر کچھ بھی نہیں ہوتا اگر اسکی کی بجائے ''**العارض**'' کہتے تو درست تھا)۔

ثابت ہوا کہ: ''خد'' یعنی گالوں پر اگنے والے بال داڑھی میں شامل ہی نہیں ہیں۔

امرِ ثالث:۔

جب ثابت ہو چکا کہ ''خد'' نہیں بلکہ ''عارض'' کے بالوں کو ہی داڑھی کہا جائے گا تو چونکہ عارض ''جبڑے'' کو کہتے ہیں لہذا اب یہ تخصیص کرنا باقی ہے کہ کیا اوپر اور نیچے والے دونوں جبڑوں پر اگے ہوئے بالوں کو ہی ''داڑھی'' کہا جائے گا یا فقط نچلے جبڑے پر اگنے والے بالوں کو، تو قولِ محقق و مسلّم یہی ہے کہ فقط نچلے جبڑے پر اگنے والے بالوں کو ہی داڑھی کہا جائے گا چنانچہ کتبہائے لغت میں بیان کردہ ''**عارض**'' کی وجہ تسمیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ: اسے ''**عریض**'' یعنی چوڑا ہونے کی وجہ سے بھی ''**عارض**'' کہا جاتا ہے اور چونکہ دونوں جبڑوں میں سے نچلا جبڑا زیادہ چوڑا ہوتا ہے اس لئے نچلے جبڑے پر ''**عارض**'' کا اطلاق کرنا ہی ''اصوب واصح'' ہوگا اور یہی راجح ہے۔

پھر اسی کی مزید تائید علامہ طحطاوی کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ: ''**واللحیان بفتح اللام علی المشھور: العظمان اللذان تنبت علیھما الاسنان السفلیٰ**'' اور لحیہ کے اطلاق کا باعث وہ دو ہڈیاں ہیں جن پر نچلے دانت جڑے ہوتے ہیں۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح جلد 1 صفحہ 93)

ثابت ہوا کہ: ''**عارض**'' نچلا جبڑا ہوتا ہے، اسی وجہ سے ''**العارض**'' پر اگنے والے بالوں کو ہی ''**لحیہ**'' کہا جانا درست ہے لہذا ''خد'' اور اوپری جبڑے کے بالوں کو داڑھی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ جب وہ بال لغوی طور پر داڑھی میں شامل ہی نہیں تو پھر انہیں کاٹ دینے میں حکمِ اعفاء پر اثر ہی کیسا؟

ثبوتی وضاحت:۔

مذکورہ بالا لغوی وضاحت کو پیش کرنے کا مقصد ''**لحیہ**'' یعنی داڑھی کی حد کو واضح کرنا تھا، الحمدللہ! ثابت ہو گیا کہ: نچلے جبڑے پر اگنے والے بالوں کو ہی ''لحیہ'' (داڑھی) کہا جائے گا، پھر یہ بھی ظاہر و باہر ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ''**اللحی**'' (داڑھیاں) بڑھانے کا ہی حکم دیا ہے، تو جب ''خد'' کے بال داڑھی میں داخل ہی نہیں تو ''**اعفوا**'' کی عمومیت میں انہیں شامل کرنے کا مطلب ہی کیا ہوا؟ چنانچہ جب ''**شعرِ خد**'' کا تعلق ''**تعمیمِ اعفائ**'' سے ثابت ہی نہیں ہو سکتا تو انہیں کاٹ دینے اور صاف کر دینے میں حرج ہی کیوں؟ بلکہ بسا اوقات ان غیر ضروری بالوں کی نشوونما ''بدّھے پن، بدصورتی اور دوسرے لوگوں کے تنافرِ مزاج'' کا باعث بن جاتی ہے جو شرعاً ہرگز بھی پسندیدہ نہیں، چنانچہ اسی وجہ سے ''**العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه**'' جلد 22 صفحہ نمبر 596 میں ''غرائب'' کے حوالے سے نقل فرما دیا گیا کہ: ''**کان ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول للحلاق بلغ العاظمین فانهما منتهی اللحیة یعنی حدها ولذالک سمیت لحیة لان حدها**

اللحی ''یعنی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجام سے فرمایا کرتے تھے کہ: چہرے کی دو ہڈیوں تک پہنچ جا، کیونکہ وہ دونوں داڑھی کی انتہاء یعنی حدیں ہیں چنانچہ اسی لئے داڑھی کو ''لحیہ'' کہتے ہیں کیونکہ اس کی حدود ''جبڑے'' ہیں)۔

☆۔ نیز علامہ امام ابن عابدین الشامی ''**رد المحتار علی الدر المختار**'' جلد 3 صفحہ نمبر 456 میں فرماتے ہیں کہ: ''**ولا (حرج) بالاخذ من حاجبه و شعر و جهه ما لم يشبه فعل المخنثين**'' یعنی (کسی شخص کا اپنے ابروؤں اور اپنے چہرے کے زائد بال اتارنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ: ''ہیجڑوں'' سے مشابہت نہ ہو)

☆۔ اسی طرح ''فتاویٰ ہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری'' کتاب الکراہۃ باب 19 میں ہے کہ: ''**لا بأس باخذ الحاجبين و شعر و جهه ما لم يتشبه بالمخنث كذا فی الينابيع**'' یعنی (دونوں ابروؤں اور چہرے کے زائد بال اتارنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ: ''ہیجڑوں'' سے مشابہت نہ ہو، اسی طرح ''الینابیع'' میں بھی لکھا ہے)۔

☆۔ نیز سابق میں ہم حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث شریف بھی پیش کر چکے ہیں جس کا مضمون یوں ہے کہ: ''**قال النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **لا یأخذن احدکم من طول لحیته ولکن من الصدغین**'' یعنی (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اپنی داڑھی کے طول سے نہ تراشے لیکن کنپٹیوں کی طرف سے تراش لے)۔

(کنز العمال للعلی الهندی جلد 6 صفحه 281 رقم 17277)

(مسند الفردوس للدیلمی جلد5 صفحہ165 رقم7835)

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم جلد3 صفحہ94)

چنانچہ اس روایت کا ایک مفہوم تو ہم سابق میں پیش کر چکے اور دوسرا مفہوم تم اپنے گھر سے ملاحظہ کرلو!

چنانچہ تمہارے معتبر ''فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری'' جلد 2 صفحہ نمبر 505، 506 میں بھی ایک سوال کے جواب میں یوں کہا گیا ہے کہ!

''دونوں رخساروں اور تھوڑی کے بالوں کو ''لحیہ'' کہتے ہیں جس کی حد دائیں اور بائیں سے ''صدغ'' (**مابین العین والاذن**) یعنی کنپٹی تک ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجام سے فرمایا تھا کہ: ''**ابلغ العظمین ؛ فانھما منتھی اللحیۃ**'' (غرائب) اور نیچے کے لب سے حلق تک ہے، خلاصہ یہ کہ: ان حدود اربعہ کے درمیان داڑھی ہے۔۔۔۔۔۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہوگا کہ: گلے (حلق) کا بال داڑھی میں داخل نہیں ہے بنابریں اس کا منڈانا جائز ہے۔ اور صدغ (کنپٹی) اور اس سے نیچے کا بال داڑھی میں داخل ہے پس خط بنوانے میں کنپٹی اور اس سے نیچے کے کسی حصے کے بال سے تعرض نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ داڑھی کی تشریح میں علماء کے بارہ اقوال ہیں۔ اور صدغ سے اوپر اس طرح خط بنویا جاسکتا ہے کہ: غیر مسلم قوموں کے شعار اور ان کے مخصوص طریقے کے مشابہ نہ ہو۔ آں حضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ''**من تشبہ بقوم فھو منھم**'' (ابوداؤد)''

قولِ فیصل:۔

لہذا اس ساری بحث سے ثابت ہوا کہ: چہرے اور گلے کے وہ

بال جو داڑھی میں شامل نہیں انہیں کاٹنے اور خط بنانے میں کوئی حرج نہیں ، بالخصوص جب ان بالوں کا بڑھنا قباحت وتنافر کا باعث ہو، مگر عورتوں اور ہیجڑوں کی مشابہت سے بچنا لازم ہے۔

نیز جن فقہاء نے چہرے کے بال کاٹنے سے منع کیا ہے تو ان کے قول میں تطبیق یوں ہے کہ: اگر وہ چہرے کے بالوں سے داڑھی کے بال مراد لیتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوگی کہ: داڑھی کے مسنون بال کاٹنے جائز نہیں۔

اور اگر وہ واقعی داڑھی کے علاوہ چہرے کے زائد بالوں کے بارے میں یہ حکم لگاتے ہیں تو ان کی مراد محض ایسی آرائش جس سے عورتوں اور ہیجڑوں سے تشبیہ یا انہیں اپنی جانب مائل کرنے کیلئے چہرے کے زائد بالوں کی صفائی کو ناجائز ٹھہرانا ہی ہوگا جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے، لہذا کسی بھی صورت فقہاء کی ایسی عبارات ہمارے خلاف پیش نہیں کی جاسکتیں۔

بہرحال ان تمام مباحثِ جلیلہ کے باوجود دراصل ہمیں تم سے اس تحقیقِ عنیق کے ارجاح کی تو کوئی توقع ہی نہیں اور اعراض کی توقع تو توقع سے بھی کہیں زیادہ ہے، نتیجتاً یہ تصریحات وعبارات بحمدہ تعالیٰ سلیم طبیعتوں کیلئے اس مسئلہ پر ایک بے مثال تحفہ قرار پائیں جس سے ان شاءاللہ العزیز افادہ واستفادہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

-------------فللہ الحمد والعزۃ---------

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم وھو الموفق والمستعان

وھو الصمد العلیم القادر الحکیم۔

بحرمۃ سید الابرار احمد المختار امام المرسلین

وھو النبی الکریم الرؤوف الرحیم۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ ووالدیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ واولیائہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

الحمدللہ علی ذالک!

یہ تحقیق عنیق بنام "**اللحیۃالشرعیۃ**" مؤرخہ 23 ستمبر 2016ء

بمطابق ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ بروز جمعۃ المبارک بعداز نماز عشاء

پایہء تکمیل واتمام کو پہنچی۔

غفراللہ لنا ولوالدینا ولسائر المؤمنین والمؤمنات

وھو رب الارض والسماوات

مآخذومراجع

فہرستِ کتب

★۔ القرآن الکریم المنزل علی الرسول الرحیم

تفسیر

★۔ تفسیر الدر المنثور للسیوطی مکتبہ اشرفیہ کوئٹہ۔

★۔ تفسیر ابن جریر الطبری مکتبۃ الطارق کابل افغانستان۔

★۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

★۔ تفسیر مجاہد دار الکتب العلمیہ بیروت۔

حدیث

★۔ الجامع الصحیح للبخاری دار السلام للنشر و التوزیع الریاض۔

★۔ الجامع السنن للترمذی دار السلام للنشر و التوزیع الریاض۔

★۔ مشکوۃ المصابیح قدیمی کتبخانہ آرام باغ کراچی۔

★۔ مصنف ابن ابی شیبہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

★۔ المعجم الکبیر للطبرانی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ مجمع الزوائد للهیثمی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ جامع المسانید للخوارزمی مکتبۃ حنفیہ کوئٹہ۔

★۔ کنوز الحقائق للمناوی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم مکتبہ النوریۃ الرضویہ لاہور۔

★۔ دلائل النبوۃ للبیهقی دار الحدیث قاہرہ۔

★۔ مسند امام اعظم ابی حنیفۃ للحصکفی مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

★۔ جامع المسانید و السنن لابن کثیر دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ الجامع الصغیر للسیوطی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ کنز العمال لعلی ہندی مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

★۔ شعب الایمان للبیہقی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ اتحاف الخیرۃ للبوصیری دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ مسند الفردوس للدیلمی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ کتاب الآثار لامام ابو یوسف مکتبہ دار العلوم کراچی۔

★۔ کتاب الآثار لامام محمد کتب خانہ مجیدیہ ملتان۔

★۔ مسند امام اعظم ابی حنیفہ للحارثی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ الصحیح لابن حبان دار المعرفۃ بیروت۔

★۔ السنن للدار قطنی المکتبۃ العصریۃ بیروت۔

★۔ المسند لامام احمد بیت الافکار الدولیۃ بیروت۔

★۔ کتاب الآداب للبیہقی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ البدر المنیر للشعرانی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ السنن لابی داؤد دار السلام للنشر والتوزیع الریاض۔

★۔ المؤطا لامام مالک قدیمی کتب خانہ کراچی۔

★۔ المؤطا لامام محمد مکتبۃ رحمانیہ لاہور۔

شروح حدیث واصول

★۔ فتح الباری شرح البخاری لابن حجر دار الحدیث قاہرہ۔

★۔ التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن، وزارۃ الاوقاف قطر۔

★۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح لملا علی مکتبہ رشیدیہ۔

★۔ شرح مسندِ امام اعظم لملا علی القاری قدیمی کتب خانہ کراچی۔

★۔ فیض القدیر للمناوی دار الحدیث قاہرہ۔

★۔ عمدۃ القاری شرح البخاری للعینی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
★۔ ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی مصر۔
★۔ عارضۃ الاحوذی لابن العربی المالکی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ مظاہرِ حق للدہلوی مکتبۃ العلم لاہور۔
★۔ حاشیۃ المشکوۃ للسہانپوری قدیمی کتب خانہ کراچی۔
★۔ المفخم لما اشکل من تلخیص مسلم للقرطبی دار الکتب العلمیہ۔
★۔ المنہاج شرح المسلم بن حجاج للنووی مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
★۔ منحۃ الباری شرح بخاری للنووی مکتبۃ الرشد الریاض۔
★۔ المقاصد الحسنۃ للسخاوی مکتبۃ النوریۃ الرضویہ لاہور۔
★۔ کشف الخفاء للعجلونی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ الموضوعات الکبیر لملا علی القاری نعمانی کتب خانہ لاہور۔
★۔ العلل المتناھیۃ لابن الجوزی دار الکتب العلمیۃ بیروت۔
★۔ شرح شرح نخبۃ الفکر لملا علی القاری قدیمی کتب خانہ کراچی۔

سیرت

★۔ الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لابن الجوزی دار الکتب العلمیہ۔
★۔ اشرف الوسائل شرح الشمائل لابن حجر المکی دار الکتب العلمیہ۔
★۔ نسیم الریاض للخفاجی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔
★۔ جامع الآثار لابن ناصر دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ مواھب اللدنیۃ (بالزرقانی) النوریۃ الرضویہ لاہور۔
★۔ زرقانی علی المواھب النوریۃ الرضویہ لاہور۔
★۔ الانوار المحمدیۃ للنبہانی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

- ★ جمع الوسائل شرح الشمائل لملا علی ادارہ تالیفات اشرفیہ۔
- ★ مدارج النبوۃ للشیخ المحقق نوریہ رضویہ لاہور۔
- ★ کتاب الشفاء للقاضی عیاض مکتبہ شانِ اسلام پشاور۔
- ★ سبل الھدیٰ والرشاد للصالحی مکتبہ نعمانیہ پشاور۔
- ★ شرح الشفاء لملا علی القاری النوریۃ الرضویۃ لاہور۔
- ★ السیرۃ الحلبیۃ للحلبی المکتبۃ المعروفیۃ کوئٹہ۔
- ★ تاریخ الخمیس للدیار بکری دار الکتب العلمیہ بیروت۔

کتبِ فقہ وتصوف

- ★ فتاویٰ حدیثیہ لابن الحجر المکی قدیمی کتب خانہ کراچی۔
- ★ حجۃ اللّٰہ البالغۃ للشاہ ولی اللّٰہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
- ★ قوت القلوب لابی طالب المکی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- ★ مفاتیح الجنان للبروسوی کتاب ناشرون بیروت۔
- ★ درِ مختار (مع رد المحتار) مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
- ★ رد المحتار علی الدر المختار مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
- ★ الفتاویٰ الرضویۃ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور۔
- ★ شرعۃ الاسلام لامام زادہ الحنفی کتاب ناشرون بیروت۔
- ★ کشف الغمۃ للشعرانی دار الفکر بیروت۔
- ★ لوامع الانوار للقسطلانی دار ابن حزم بیروت۔
- ★ کتاب الاذکار للنووی دار ابن کثیر بیروت۔
- ★ اعانۃ الطالبین للشطا دمیاطی دار الاسلام قاہرہ۔
- ★ غنیۃ الطالبین (مترجم) نعمانی کتب خانہ لاہور۔

★۔ طحطاوی علی المراقی المکتبۃ الغوثیۃ کراچی۔
★۔ المیزان الکبریٰ للشعرانی (مترجم) ادارہ پیغام القرآن لاہور۔
★۔ الرسالۃ فی فقہ الامام مالک للقیروانی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ احیاء العلوم للغزالی دار السلام للطباعۃ والنشر والتوزیع مصر۔
★۔ المبسوط للسرخسی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔
★۔ بدائع الصنائع للکاسانی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

تاریخ ورجال

★۔ تاریخ طبری دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔
★۔ الکامل فی الضعفاء لابن عدی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ سیر اعلام النبلاء للذہبی دار الحدیث القاہرہ۔
★۔ میزان الاعتدال للذہبی مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
★۔ تہذیب التہذیب لابن حجر دار الکتب العمیہ بیروت۔
★۔ تاریخ مدینۃ دمشق دار الکتب العلمیہ بیروت۔
★۔ تنسیق النظام مکتبہ رحمانیہ لاہور۔
★۔ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم دار الحدیث قاہرہ۔
★۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد مکتبہ عمریہ کوئٹہ۔
★۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

لغت

★۔ المفردات فی غریب القرآن للاصفهانی قدیمی کتب خانہ کراچی۔

★۔ لسان العرب لابن منظور دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ مشارق الانوار للقاضی عیاض دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ تاج العروس للزبیدی دار الکتب العلمیہ بیروت۔

★۔ المعجم الوسیط مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

★۔ المنجد دار الاشاعت کراچی۔

★۔ فیروز اللغات فیروز سنز لاہور۔

★۔ مقاییس اللغۃ لاحمد بن زکریا دار الحدیث قاہرہ۔

★۔ فقہ اللغۃ قدیمی للثعالبی کتب خانہ کراچی۔

★۔ لغات الحدیث للنواب وحید الزمان نعمانی کتب خانہ لاہور۔

★۔ المحکم والمحیط الاعظم لابن سیدۃ جامعۃ الدول العربیۃ قاہرہ۔

★۔ القاموس للفیروز آبادی مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

کتبِ فقہ غیر مقلدین

★۔ فتاویٰ نذیریہ مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور۔

★۔ فتاویٰ ثنائیہ مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور۔

★۔ فقہ محمدیہ کلاں مطبوعہ مطبع محمدی لاہور۔

★۔ فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری دار الابلاغ لاہور۔